مدھو بالا ۔۔۔ ایک دیومالائی کردار

بالی وڈ کی حسن کی دیوی کی داستان حیات

عبدالحفیظ ظفر

غالباً 1932ء میں ہندوستان میں پہلی بولتی فلم (Talking Movie) عالم آراء ریلیز ہوئی۔ اسی برس گزرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ کس اداکار یا اداکارہ نے سب سے زیادہ بھارتی فلمی صنعت کے عروج میں اپنا حصہ ڈالا۔ بیشمار فنکاروں کے نام لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے پچھلے اسی برسوں میں اپنے اپنے شعبوں میں بے مثال کام کرکے اس صنعت کو نئی رفعتوں سے آشنا کیا۔ ان برسوں میں ہندوستان کی فلمی صنعت میں بڑی حسین وجمیل، پرکشش اور اعلیٰ پائے کی ہیروئنیں آئیں اور شاندار طریقے سے اپنا وقت گزار کر رخصت ہوگئیں۔ ہر کامیاب ہیروئن کا اپنا دور ہوتا ہے جس میں وہ اپنے مداحوں کے دل کی دھڑکن ہوتی ہے اور اسے پسند کرنیوالے کئی کئی بار اس فلم کو دیکھتے ہیں۔ پھر جب وہ فلموں سے آؤٹ ہوتی ہے تو اس کے پاس اپنے دور کی سنہری یادوں کا خزانہ ہوتا ہے۔ اس وقت تک ایک یا دو نسلیں جوان ہوچکی ہوتی ہیں اور نئی نسل کے لوگ اس کا نام یا تو جانتے ہی نہیں یا پھر بہت کم جانتے ہیں۔ البتہ انہیں اس ہیروئن کے بارے میں اپنے بڑے بزرگوں سے بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ ہندوستانی فلمی صنعت کی کامیاب اور مشہور ہیروئنوں کی بات کی جائے تو اس حوالے سے بے شمار نام ہیں۔ نور جہاں، نرگس، مدھو بالا، نوتن، مینا کماری، ممتاز شانتی، نگار سلطانہ، وحیدہ رحمان، وجنتی مالا، ثریا، نمی، سادھنا، آشا پاریکھ، مالا سنہا، ہیما مالنی، ریکھا، جیا بہادری، راکھی، جیا پرادا، سری دیوی، مادھوری ڈکشٹ، جوہی چاولہ، ایشوریا رائے، کترینہ کیف، کاجل، رانی مکھر جی، کرینہ کپور اور کئی دیگر شامل ہیں۔ بہت سی اداکاراؤں کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر جتنی مرضی بات کرلی جائے لیکن ایک بات پر تمام فلمی پنڈت متفق ہیں کہ مدھو بالا جیسی حسین اور پرکشش اداکارہ ہندوستانی فلمی صنعت میں آج تک نہیں آئی بلکہ کچھ لوگوں کا تو دعویٰ ہے کہ شاید کبھی آئے گی بھی نہیں۔ مدھو بالا کو بھی انڈین سکرین کی وینس کہا گیا اور کبھی خوبصورتی کا مجسمہ قرار دیا گیا۔ مدھو بالا کی وفات کے 42 برس بعد بھی اس اداکارہ کے حسن وجمال کی دھوم مچی ہوئی ہے۔۔۔۔ یورپ کے ایک مشہور جریدے نے تو مدھو بالا کو وینس آف دی ایسٹ کا بھی خطاب دیا تھا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ قدرت کی طرف سے عطا کردہ بے پناہ حسن کی مالکہ مدھو بالا اداکاری میں بھی اپنی مثال آپ تھی۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اگر ایک اداکارہ بہت خوبصورت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی فنکارانہ صلاحیتیں بھی مسلمہ ہوں۔ یہ اعزاز صرف اور صرف مدھو بالا کا ہے کہ حسن وجمال میں بھی سب سے آگے اور ایک اداکارہ کی حیثیت سے بھی جس کے نام کا ڈنکا بجتا ہو۔ بلاشبہ مدھو بالا کو ہندوستانی فلمی صنعت میں ایک دیومالائی کردار کی حیثیت حاصل ہے۔ اس دیومالائی کردار (Mythical character) کے بارے میں ہندوستان کی ادیبہ خدیجہ اکبر نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''میں زندہ رہنا چاہتی ہوں'' ۔۔۔ مدھو بالا کی کہانی۔

(I want to live ----The story of Madhubala) ذیل میں اس کتاب کی تلخیص و ترجمے کی پہلی قسط پیش کی جارہی ہے جس میں یقیناً قارئین کیلئے دلچسپی کا بہت سامان موجود ہوگا۔ خدیجہ اکبر نے اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ وہ کالج کے دنوں میں ہی مدھو بالا کی بہت مداح تھیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کی تکمیل کے سلسلے میں بہت سے فلمی شخصیتوں کا شکریہ ادا کیا ہے جن میں دلیپ کمار، دیوانند، شمی کپور، موسیقار نوشاد، انیل بسواس، ہدایتکار کیدار شرما، سلطان احمد، اوم پرکاش، کے این سنگھ، بیگم پارہ، اجیت، منوممتاز، شیلا ڈالیا، ستارہ دیوی، سوشیلا رانی، ممتاز صحافی کے کرانجیا اور کئی دیگر شامل ہیں۔ خدیجہ اکبر کے مطابق ان تمام افراد سے مل کر مدھو بالا کے بارے میں بہت مدد ملی۔ دلیپ کمار کے بارے میں خدیجہ اکبر کا کہنا ہے کہ شروع میں وہ مدھو بالا کے بارے میں گفتگو کرنے سے گریزاں تھے لیکن ان کے بھائی احسن خان نے اس سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

دلیپ کمار نے البتہ یہ کہا کہ وہ دس منٹ سے زیادہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرسکتے لیکن ملاقات کے دوران یہ گفتگو 45 منٹ تک جاری رہی۔ خدیجہ اکبر کہتی ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے 1966ء میں مدھو بالا کی فلم ''ترانہ'' دیکھی تھی۔ یہ فلم سب سے پہلے 1951ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ 1966ء میں ہندی فلموں میں وحیدہ رحمان، شرمیلا ٹیگور، سادھنا، سائرہ بانو، نوتن اور آشا پاریکھ چھائی ہوئی تھیں۔ مدھو بالا کے عروج کا زمانہ ختم ہوچکا تھا۔ اب بلیک اینڈ وائٹ فلموں کا دور ختم ہوچکا تھا لیکن صبح گیارہ بجے کے شو میں پرانی بلیک اینڈ وائٹ فلمیں سینماؤں میں دکھائی جارہی تھیں۔ ایک روپے سے بھی کم خرچ کرکے ہم لوگ محل، انداز، امر، برسات اور مدھو متی جیسی فلمیں دیکھ سکتے تھے۔ ''مغل اعظم'' جب بھی صبح کے شو میں دکھائی جاتی سینما ہاؤس شائقین سے بھرے ہوتے تھے۔ مدھو بالا کی فلمیں دیکھنا تو ایک عادت سی بن گئی تھی۔ البتہ یہ ضرور سوچتی تھی کہ اس اداکارہ کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے اور

> نئی نسل کو مدھو بالا کے بارے میں اس وقت پتہ چلا جب وی سی آر کا استعمال عام ہوگیا۔ یہ نئی نسل اپنے زمانے کی ہیروئنوں کی مداح تھی لیکن جب انہوں نے مدھو بالا کی بلیک اینڈ وائٹ فلمیں دیکھیں تو نوجوان مدھو بالا کے حسن وجمال اور اداکاری دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے

اگر کبھی موقع ملا تو اس پر کتاب بھی لکھ دی جائے۔ مدھو بالا کے بارے میں مختلف خبریں ملتی رہتی تھیں لیکن 1969ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو پتہ چلا کہ وہ دل کی مریضہ تھی۔ جب اس کی فلمیں دیکھتے تھے تو ایک لمحے کیلئے بھی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ چنچل، پرجوش اور پری چہرہ اداکارہ دل کی مریضہ ہوسکتی ہے۔ خدیجہ اکبر کہتی ہیں کہ دلیپ کمار سے ملاقات انتہائی ضروری تھی کیونکہ ان کے تاثرات کے بغیر یہ کتاب نامکمل رہتی۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ دلیپ کمار اور مدھو بالا کا رومانس بہت مشہور ہوا تھا اور پھر اس کا انجام بھی افسوسناک تھا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اس محبت کی شدت دلیپ کمار کے لہجے سے ظاہر ہورہی تھی۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی پسندیدہ اداکارائیں کون سی ہیں تو مجھے امید تھی کہ وہ مجھے واضح جواب نہیں دیں گے لیکن انہوں نے سوال کو بڑے غور سے سنا اور پھر پوچھا، نئی اداکاراؤں کی بات کررہی ہیں آپ، میں نے کہا نہیں مجموعی طور پر پوچھ رہی ہوں۔ اس پر دلیپ کمار نے چند لمحات کیلئے خاموشی اختیار کی اور پھر بولے ''مینا کماری اور مدھو بالا'' میں نے انہیں بتایا کہ میں تو کالج کے دنوں سے ہی مدھو بالا کی پرستار تھی جس پر دلیپ کمار نے کہا آپ خوبصورت سوچ کی مالکہ ہیں۔

نئی نسل کو مدھو بالا کے بارے میں اس وقت پتہ چلا جب وی سی آر کا استعمال عام ہوگیا۔ یہ نئی نسل اپنے زمانے کی ہیروئنوں کی مداح تھی لیکن جب انہوں نے مدھو بالا کی بلیک اینڈ وائٹ فلمیں دیکھیں تو مدھو بالا کے حسن وجمال اور اداکاری دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہوں نے اس وقت تک تو یہ سوچا ہی نہ تھا کہ مدھو بالا کتنی شاندار اداکارہ تھی۔ ایک ایسی اداکارہ جس کا مدمقابل نہ اس وقت کوئی تھا اور نہ ہی آج کوئی اداکارہ اس کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتی ہے۔

مادھوری ڈکشٹ کے بارے میں شروع میں یہ شور مچایا گیا کہ بالی وڈ کو ایک نئی مدھو بالا مل گئی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مادھوری ڈکشٹ ایک حسین اور انتہائی باصلاحیت اداکارہ تھی اس کی مسکراہٹ بھی مدھو بالا سے مشابہ تھی۔ لیکن ایک ٹی وی انٹرویو میں مادھوری ڈکشٹ نے کمال کی بات کی۔ اس نے کہا کہ ''لوگ مجھے مدھو بالا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر بارہ مادھوری ڈکشٹ بھی آجائیں تو ایک مدھو بالا نہیں بن سکتی''۔

مدھو بالا ایک مسلم گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اسکا اصلی نام ممتاز جہاں بیگم تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کی پیدائش دہلی میں 14 فروری کو ہوئی۔ اس دن محبت کے پجاری ایک دوسرے سے وفا کا عہد کرتے ہیں۔ قدرت نے بھی کیا دن چنا تھا مدھو بالا کی اس دنیا میں آمد کا۔ مدھو بالا کی پہلی فلم ''بسنت'' 1942ء میں ریلیز ہوئی۔ اسوقت اس کی عمر صرف 9 سال تھی۔ 1948ء تک اس کی کچھ اور فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں کیدار شرما کی نیل کمل، این ایم کیلیکار کی ''امر پریم'' اور موہن سنہا کی ''دل کی رانی'' شامل ہیں۔ یہ تینوں فلمیں راج کپور کے ساتھ تھیں۔ اے آر کاردار کی ''دلاری'' کیلئے مدھو بالا نے بہت تکلیفیں برداشت کیں۔ 1948ء کی ایک رات طوفانی بارش ہوتی رہی اور پورا ممبئی جل تھل ہوگیا۔ اس حالت میں مدھو بالا کیسے سٹوڈیو پہنچی یہ خدا ہی جانتا ہے۔ 1949ء میں کمال امروہی کی فلم ''محل'' کی ریلیز کے بعد مدھو بالا کو ایک باصلاحیت اداکارہ تسلیم کرلیا گیا۔ مدھو بالا کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ نظم وضبط کی بہت پابند تھی۔ اس کی پانچ بہنیں تھیں اور اس کا باپ عطاء اللہ خان ایک سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے اپنی بیٹی پر یہ شرط لگا رکھی تھی کہ وہ رات کے وقت شوٹنگ نہیں کرے گی۔ اس کے علاوہ مدھو بالا پر اپنے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری بھی تھی۔ اپنے پورے فلمی کیریئر کے دوران اسے صرف گھر اور کام کی فکر دامن گیر رہی۔ 1947ء سے 1960ء تک کا زمانہ بھارتی سینما کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ 1940ء سے 1950ء کی دہائی میں ہندوستانی فلمی صنعت کو عدیم النظیر موسیقاروں اور گلوکاروں کی خدمات حاصل رہیں۔ ماسٹر غلام حیدر، ایس ڈی برمن، سجاد حسین، ہمنت کمار، او پی نیر، خیام، سی رام چندر، شنکر جے کشن، سلیل چودھری اور کئی دوسرے سنگیت کار تھے جن کے فن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ خوبصورت گیتوں کو جن گلوکاراؤں نے اپنی انمول آواز دی ان میں نور جہاں، شمشاد بیگم، راج کماری، امیر بائی کرناٹکی اور ثریا شامل تھیں۔ ان کے بعد لتا منگیشکر، محمد رفیع، مکیش، طلعت محمود اور گیتا دت نے اپنے نام کا ڈنکا بجایا۔ ان سب گلوکاروں نے کلاسیکی موسیقی کی تربیت حاصل کررکھی تھی۔ بعد میں انہوں نے پلے بیک سنگرز کی حیثیت سے اپنا مقام بنایا۔ اس کے ساتھ اردو کے اہم شاعروں نے بھی نغمہ نگاری کے میدان میں قدم رکھا اور انہوں نے فلمی گیتوں کو جس ادبی چاشنی سے مزین کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ انتہائی معزز شعراء میں ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی، کیفی اعظمی، راجندر کرشن، راجہ مہدی علی خاں، قمر جلال آبادی، مجروح سلطانپوری اور پریم دھون شامل تھے جنہوں نے باکمال فلمی گیت تخلیق کیے۔ اسی طرح ہدایتکاروں کی صف میں وہ لوگ شامل تھے جو اس یقین کے ساتھ کام کرتے تھے کہ وہ جو کچھ کررہے ہیں اس کی بے حد اہمیت ہے اور انہیں وہ کام کرنا چاہیے جو تاریخ میں زندہ رہے۔ محبوب خان، بمل رائے، امیا چکرورتی، نتن بوس، ایس یو سنی، کے اے عباس، کمال امروہی، وی شانتارام اور کے آصف جیسے ہدایتکاروں کی عظمت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ان ہدایتکاروں کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس حوالے سے اداکارہ نادرہ کا کہنا تھا کہ ہم اس جگہ کی پوجا کرتے تھے جہاں محبوب خان قدم رکھتے تھے۔

کوئی اداکار چاہے جتنا بھی کامیاب کیوں نہ ہو، وہ ان پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرسکتا تھا۔ ایک بار اداکارہ نرگس نے کہا تھا کہ آج کل حقیقی فلمی ہدایتکار نہیں ملتے۔ آج کل کے ہدایتکار سٹارز کیلئے فلمیں بناتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ہدایتکاروں کا نام بکتا تھا جبکہ آج کل سٹار کا نام بکتا ہے۔ رومانس فلموں کا اہم موضوع ہوتا تھا۔ ہدایتکار جس جوش وجذبے سے کام کرتے تھے اس سے صرف ایک بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ لوگ اپنی انفرادیت قائم کرنے کیلئے پرعزم ہیں۔ ہدایتکار شوٹنگ کے آغاز سے پہلے اداکاروں کو آپس میں میل ملاپ کی اجازت دیتے تھے تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ سکرین پر ان کی اداکاری فطری محسوس ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ممتاز اداکارہ وزیدہ پارا نے شکایت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ''مجھے بتائیں، ایک ایسا اداکار جس کی ملاقات میرے ساتھ شوٹنگ سے پانچ منٹ پہلے ہوئی ہو۔ میں اس کے گلے سے لگ کر کیسے رو رو کر کہوں بیٹا بیٹا''۔ مرد اداکاروں میں دلیپ کمار، دیوآنند اور راج کپور نے اپنے نام کا سکہ جما رکھا تھا۔ اس دور کو سمجھنے کیلئے ان اداکاروں کا ذکر انتہائی ضروری ہے۔ تقریباً دو عشروں تک ان اداکاروں نے کروڑوں دلوں پر راج کیا۔ اشوک کمار، شمی کپور، سنیل دت، گورودت اور راج کمار بھی فلمی افق پر چمک رہے تھے۔ موتی لال اور بلراج ساہنی کا الگ مقام تھا جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ 1950ء کی دہائی میں مدھو بالا، نرگس اور مینا کماری وہ اداکارائیں تھیں جنہوں نے فلم بینوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنا گرویدہ بنایا۔ ثریا کے پرستاروں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ نور جہاں کی طرح یہ اداکارہ بھی تھی اور گلوکارہ بھی۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ جہاں بھی جاتی تھی اس کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے لوگ بے تاب رہتے تھے۔ انگریزی ادبیات میں گریجوایشن کرنے والی کامنی کوشل کے مداحوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ اس کی مشہور فلموں میں ضدی، آرزو اور برادج ہو شامل ہیں۔ بینا رائے نے 1953ء میں بننے والی فلم ''انارکلی'' سے شہرت حاصل کی۔ نمی نے بھی ''آن، دیدار، داغ اور برسات'' میں شاندار اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ بھی مقبولیت کے لحاظ سے کسی سے پیچھے نہ تھی۔ نرگس کی کامیابی میں جن فلموں نے اہم کردار ادا کیا تھا ان میں انداز، جوگن، آوارہ، برسات اور مدر انڈیا شامل ہیں۔ ایک اور بڑا نام نوتن کا تھا جس نے ''سیما'' سجاتا، سونے کی چڑیا اور بندنی جیسی فلموں میں زبردست اداکاری کی تھی اور اسے ایک شاندار اداکارہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ وحیدہ رحمان اور وجنتی مالا نے بھی

شخصیت

بہت نام کمایا۔ مینا کماری کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ سکرین پر روتی تھی تو شائقین بھی رونے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ مینا کے مکالموں کی ادائیگی کا انداز اور آواز کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ پاکیزہ، بیجو باورا، دل ایک مندر اور صاحب بی بی اور غلام میں وہ فن کی بلندیوں پر نظر آتی ہے۔ ان سب کی موجودگی میں مدھوبالا کیلئے اپنی الگ شناخت بنانا کسی چیلنج سے کم نہیں تھا اور یہ بڑا مشکل چیلنج تھا۔ مدھوبالا کیلئے مشکل یہ تھی کہ اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کی بجائے اس کے حسن و جمال کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ حالانکہ مدھوبالا ان چند اداکاراؤں سے ایک تھی جو بے حد حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت باکمال اداکارہ بھی تھی اور اس نے کئی فلموں میں ثابت بھی کیا کہ وہ محض اپنی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ فنکارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے بھی مقبول ہے۔ اور وہ محض ایک رومانوی اداکارہ ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ "ترانہ، سنگدل، مسٹر اینڈ مسز 55، چلتی کا نام گاڑی، ہوڑا برج، امر، کالا پانی وہ فلمیں ہیں جن میں مدھوبالا نے بہترین اداکاری کی۔ اور پھر ان سب سے بڑھ کر مغل اعظم، جسے مدھوبالا کے فن کی معراج کہا جا سکتا ہے۔ یقیناً "انارکلی" کا کردار اس سے بہتر کوئی اور اداکارہ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے بینا رائے "انارکلی" فلم میں یہی کردار ادا کر چکی تھی اور اس نے شہرت بھی حاصل کی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مدھوبالا نے "مغل اعظم میں" انارکلی" کا کردار ادا کر کے بینا رائے کو میلوں پیچھے چھوڑ دیا۔

اخبارات اور جرائد میں صرف مدھوبالا کی خوبصورتی کو ہی موضوع بنایا جاتا تھا۔ کالم نگار اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنے کیلئے مناسب الفاظ ڈھونڈتے رہتے تھے۔ "فلم انڈیا" نے ایک بار مدھوبالا کے بارے میں لکھا "فلمی سکرین پر آج تک اتنی حسین اداکارہ نہیں دیکھی گئی۔ ایسا حسن اور سراپا جس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ بکرم سنگھ نے کہا کہ جس کیمرے نے مدھوبالا کے چہرے کو نہیں چھوا اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اوپی دتا کا کہنا تھا مدھوبالا کی مسکراہٹ میں زندگی تلاش کی جا سکتی ہے۔ فلم بین سکرین پر مدھوبالا کو دیکھ کر دم بخود رہ جاتے تھے ایک فلمی گیت کے بول ملاحظہ کیجئے جو صرف مدھوبالا کیلئے ہی لکھے گئے۔

خدا بھی خیالوں میں لایا ہے تم کو
خود ہاتھوں سے اپنے بنایا ہے تم کو

مدھوبالا کو مختلف خطابات دیئے گئے۔ کبھی اسے "ڈریم گرل" کہا گیا۔ کبھی "بھارتی سکرین کی وینس" پکارا گیا اور کبھی ملکہ حسن۔ وہ ان اداکاراؤں میں شامل تھی جس کو اداکاری کرتے دیکھ کر فلم بینوں کو مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اس مسرت و انبساط کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ فلم انڈیا کے ایڈیٹر بابو رائے پٹیل نے مدھوبالا کے بارے میں کہا تھا۔ اس اداکارہ کی حاضر جوابی اور طنز کرنے کا منفرد انداز اسے سب سے ذہین اداکارہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ باقی رہا مدھوبالا کا حسن تو اسے بیان کرنے کیلئے الفاظ ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک دفعہ فلم انڈیا کے ایک مستقل قاری نے سوال پوچھا۔ میرا ایک ہمسایہ جب تک مدھوبالا کی تصویر نہ دیکھ لے اسے کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ آپ اسے اس سلسلے میں کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔ "فلم انڈیا" کا جواب تھا اپنے ہمسائے سے کہیں کہ مدھوبالا سے مل لے اس کے بعد اسے خوراک کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مدھوبالا کے انتقال کو چالیس برس سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے لیکن آج بھی اس کی فلموں کے ناقابل فراموش مناظر اور نغمے ہندوستانی سینما کے منظرنامے میں محفوظ ہیں۔

ایک ویران باغ میں ایک پراسرار لڑکی جھولا جھول رہی ہے۔ اس کے نازک نقوش، خواب سے بھری آنکھیں، لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ اور پھر یہ گیت گنگناتا "آئے گا، آئے گا، آئے گا آنے والا۔ عجیب و غریب سماں باندھ دیتا ہے۔ فلم کا ہیرو اشوک کمار حواس باختہ ہے اور حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے "کیا یہ سب کچھ حقیقی ہے" (کمال امروہی کی فلم محل 1949)۔

"چمکتی آنکھیں، اطمینان بھری مسکراہٹ، معطر فضا اور پھر جب وہ یہ گیت گاتی ہے۔ بے ایمان تورے نیناں، نندیا نہ آئے، تو ایسا لگتا ہے جیسے وقت رک گیا ہے" (رام دریانی کی فلم ترانہ 1951)۔ اسی طرح گورودت کی فلم مسٹر اینڈ مسز 55 (1955)، شکتی سامنتا کی فلم "انسان جاگ اٹھا (1959) محبوب خان کی فلم "امر" (1954)، ستین بوس کی چلتی کا نام گاڑی (1958)، راج کھوسلہ کی کالا پانی (1958) اور کے آصف کی مغل اعظم (1960) وہ فلمیں تھیں جن کے اکثر مناظر میں مدھوبالا نے سحر انگیز اداکاری کا مظاہرہ کیا اور اس کا روپ بھی ہر فلم میں بالکل الگ تھلگ نظر آیا۔ ہر فلم بین کی یادداشتوں میں یہ مناظر آج بھی تروتازہ ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ایسے تمام مناظر فلم بینوں کے ذہنوں پر نقش ہو چکے ہیں۔ اب ذرا یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کی ہم عصر اداکاراؤں کا اس کے بارے میں کیا کہنا تھا۔ اداکارہ نادرہ نے کہا" مدھوبالا اتنی خوبصورت تھی کہ اسے دیکھ کر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ ایسا کیف پرور حسن کم ہی دیکھا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو اسے دیکھ کر غصہ بھی آ جاتا تھا کہ کوئی اتنا بھی حسین ہو سکتا ہے۔ مدھوبالا کیلئے ہر کسی کے دل میں نیاز مندی کے جذبات تھے۔ ایک ایسی شخصیت نے ایسی فضا بنا دی تھی جس میں صرف اس کیلئے توصیفی کلمات ہی کہے جا سکتے تھے۔ بیگم پارہ نے کہا میں نے اسے کئی بار صبح کے وقت دیکھا میں یہ کہتی تھی کہ جس دن اسے دیکھ لیا سمجھ لیں آپ کا دل

> مدھوبالا کا شمار اُن معدودے چند اداکاراؤں میں ہوتا تھا جو بے حد حسین بھی تھیں اور اداکاری میں بھی اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ ایک ایسی اداکارہ تھی جس کا مدِ مقابل نہ اس وقت کوئی تھا اور نہ آج ہندوستان کی کوئی ہیروئن اس کی ہمسری کو دعویٰ کر سکتی ہے

خوشی سے معمور ہو گیا اور آپ پورا دن بہت پرسکون گزاریں گے۔ وہ حقیقت میں ایک خواب کی طرح لگتی تھی۔ نروپا رائے کا کہنا تھا۔ وہ سر سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک خوبصورت تھی۔ ایسا سراپا اب شاید کسی اور کا نہ ہو۔ نمی نے کہا جب پہلی بار میں مدھوبالا سے "امر" کی شوٹنگ کے دوران ملی تو اسے دیکھ کر ہی پوری رات سو نہ سکی۔ 1953ء میں مدھوبالا نے شمی کپور کے ساتھ "ریل کا ڈبہ" میں کام کیا۔ شوٹنگ کے پہلے دن شمی کپور اپنے مکالمے بھول گیا۔ مدھوبالا کو سامنے دیکھ کر شاید وہ تھوڑا سا نروس ہو گیا تھا۔ ششی کپور کو ہمیشہ افسوس رہا کہ اسے کسی فلم میں مدھوبالا کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ششی کپور کا کہنا تھا کہ مدھوبالا کا حسن و جمال پراسراریت کی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ ایک بہت ذہین، بہت نازک اندام اور کمال کی خوبصورت اداکارہ تھی۔ اس کی آنکھیں بھی تاثرات سے بھرپور تھیں۔ ہدایتکار من موہن ڈیسائی کا موقف تھا کہ بھارتی فلمی سکرین کو حقیقی معنوں میں جو خوبصورت چہرہ ملا وہ مدھوبالا کا تھا۔ ممتاز صحافی بی کے کرانجیا نے کہا جب میں پہلی بار مدھوبالا سے ملا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ اس کی کسی بھی تصویر سے مدھوبالا کے صحیح حسن کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کسی تصویر نے مدھوبالا کے حقیقی حسن کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

اس کے خدوخال کو شاید چاند نے چھو لیا تھا اور اس کی مسکراہٹ کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ بے انتہا نکھار مانے ہوئے سینما فوٹو گرافر ہیں انہوں نے مدھوبالا کے بارے میں کہا کہ مدھوبالا کی جس زاویے سے بھی تصویر لی جاتی تھی اس کی خوبصورتی میں رتی برابر فرق نہیں پڑتا تھا۔ میک اپ کے بغیر بھی ایسی زبردست تصویر حاصل ہوتی تھی کہ بسا اوقات عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ منو ممتاز نے تو ایک ایسی بات کہی کہ انسان حیرت کی تصویر بن جاتا ہے اس نے کہا مدھوبالا کے چہرے کے خدوخال اتنے صاف اور شفاف تھے کہ جب وہ پان کھاتی تھی تو اس کے حلق میں سرخ رنگ جاتا ہوا نظر آتا تھا۔ مدھوبالا کے بارے میں یہ بھی اتفاق رائے ہے کہ جتنی ظاہری طور پر وہ حسین تھی اتنی ہی وہ اندر سے بھی حسین تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بطور انسان وہ خامیوں سے پاک تھی اپنے والد کی ضرورت سے زیادہ فرمانبرداری، درست وقت پر درست فیصلے نہ کرنا اور پھر بہت زیادہ جذباتی ہو جانا اس کی وہ خامیاں تھیں جن کے بالآخر تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ سادگی نے مدھوبالا کے حسن میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اتنی شہرت کے باوجود غرور اسے چھو کر نہیں گزرا۔

معروف موسیقار انیل بسواس نے مدھوبالا کی تین فلموں کا سنگیت دیا۔ ان میں بے قصور (1950)، آرام (1951) اور ترانہ (1951) شامل ہیں۔ انیل بسواس نے مدھوبالا کا ذکر محبت بھرے لہجے میں کیا۔ ایسی عورتیں بھی ہیں جو دیویوں کی طرح خوبصورت ہوتی ہیں لیکن آپ دو منٹ سے زیادہ ان کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے لیکن مدھوبالا ایک ایسی ساحرہ تھی جس کے ساتھ آپ بیٹھنا چاہتے تھے، بات کرنا چاہتے تھے۔

مدھوبالا کا تعلق اس دور سے تھا جب اداکاراؤں کے باہمی تعلقات مثالی ہوتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کیلئے خیر سگالی کے جذبات رکھتی تھیں۔ مدھوبالا گیتا بالی کی بہت بڑی پرستار تھی۔ اس نے اس کے بارے میں ایک دفعہ کہا تھا اسے دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔ مینا کماری کے بارے میں اس کا کہنا تھا وہ لاثانی آواز کی مالک ہے۔ ایسی آواز اور کسی ہیروئن کی نہیں۔ نرگس نے اپنے دور کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہا ہم سب دوست تھیں کوئی کسی سے حسد نہیں کرتی تھی۔ ہم میں سے کوئی کسی دوسری ہیروئن کا کردار چھیننے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے "مدر انڈیا" کی زبردست کامیابی کے بعد مجھے میری ساتھی ہیروئنوں نے پھولوں کے گلدستے بھیجے۔ انہوں نے مجھے ٹیلی گرام بھیجے۔ یہ میرے لئے انتہائی خوبصورت لمحات تھے۔ جب مجھے کوئی ایوارڈ ملتا تو دوسری ہیروئنیں اس تقریب میں شامل ہوتیں اور میرے لئے تالیاں بجاتیں۔ آج کسی اداکارہ کو ایوارڈ ملتا ہے تو دوسرا اداکار اس تقریب میں شرکت کرنے سے گریز کرتا ہے۔

اس دور میں کوئی ہیروئن انا پرست نہیں تھی سب ایک دوسرے کی مداح اور خیر خواہ تھیں۔ مقابلہ تھا لیکن صحت مند مقابلہ، نہ کوئی خود غرضی، نہ بے حسی، نہ مطلب پرستی اور نہ کوئی سازش۔ مینا کماری، گیتا بالی، نرگس، مدھوبالا، نمی، نروپا رائے، نادرہ اور دیگر ہیروئنیں، رنجیت سٹوڈیو، ایم اینڈ ٹی، محبوب اور پربھات سٹوڈیو میں ایک معاہدے کے تحت کام کرتی تھیں۔ اکثر لوکل ٹرین کے ذریعے سٹوڈیوز جایا کرتی تھیں اور ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

بعض کی ملاقاتیں سٹوڈیو میں داخلے سے پہلے حاضری رجسٹر پر ہو جایا کرتی تھیں۔ بعض کی ملاقات سٹوڈیو میں داخلے سے پہلے حاضری رجسٹر پر ہو جایا کرتی تھی۔ مدھوبالا کے لئے گہری دوستیاں استوار کرنے کے مواقع بہت کم تھے اس کی وجہ اس کا باپ عطاء اللہ خان تھا جو سخت گیر انسان تھا اور اس نے اپنی بیٹی کو سخت نظم و ضبط کا پابند بنا رکھا تھا۔

وہ اپنے ساتھیوں سے صرف سٹوڈیو میں ہی ملتی تھی۔ اسے کسی تقریب، پریمیئر اور پکنک پارٹی میں بھی نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہ کبھی کھلے ٹرکوں پر چندہ اکٹھا کرنے کی غرض سے بھی سوار نہیں ہوئی، نہ ہی وہ کبھی کرکٹ میچ دیکھنے جاتی تھی۔ حالانکہ اکثر فلمی اداکاران سب کے شوقین تھے۔ حتیٰ کہ مقامی جگہوں پر بھی جو شوٹنگ ہوتی تھی وہ ممبئی کے آس پاس کے علاقے ہوتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو مدھوبالا کے گھر آنے کی اجازت تھی۔ مدھوبالا کی تربیت جس انداز سے اس کے باپ نے کی تھی اگر اس کا مزاج بھی ویسے ہی تشکیل پاتا تو شاید آج اس کا ایک بھی خیر خواہ نہ ہوتا۔ وہ گرمجوشی سے ملتی اور دوسرے پر بھروسہ کرتی۔

گلشن ایوِنگ برسوں تک مدھوبالا کا رازدان رہا۔ اس کے علاوہ اداکارہ نمی تھی جس کے ساتھ "امر" کی شوٹنگ کے دوران وہ گھنٹوں میک اپ روم میں بات چیت کرتی تھی۔ اداکارہ اور رقاصہ ککو کی مدھوبالا کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ ککو ان چند افراد میں سے ایک تھی جو مدھوبالا سے ملاقات کیلئے اس کے گھر جایا کرتے تھے۔ جب شکتی سامنتا انسان جاگ اٹھا بنا رہا تھا تو اس وقت مدھوبالا اپنی زندگی کے سب سے دکھی لمحات کا سامنا کر رہی تھی۔ اس وقت اس کی ساتھی اداکارہ منو ممتاز نے اسے مفید مشورے دیئے۔ اس کی کسی ساتھی اداکارہ نے اس کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دیا۔

مدھوبالا پر اکثر ہنسی کا دورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ شوٹنگ کے دوران وہ اکثر ہنسنے لگتی اور ظاہر ہے کہ یہ ہنسی بلاوجہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی واقعہ ایسا رونما ہو جاتا تھا جو اسے ہنسنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ بعض اوقات اس کی ہنسی رو کے نہ رکتی تھی۔ "امر" کے ایک منظر میں اداکارہ نمی کو دلیپ کمار اور مدھوبالا کے سامنے رقص کرنا تھا۔ رقص کے دوران نمی نے ایک غلط قدم (step) لیا، بس پھر کیا تھا مدھوبالا پہلے دبی دبی ہنسی ہنستی رہی پھر وہ گویا ہنسی کا گول گپا بن گئی۔ اس پر نمی کو بہت دکھ ہوا۔ لیکن بعد میں مدھوبالا نے میک اپ روم میں جا کر اس سے معافی مانگ لی۔ دونوں بغل گیر ہو گئیں اور معاملہ ختم ہو گیا۔ "مغل اعظم" کی شوٹنگ کے دوران بھی کچھ نگار سلطانہ کے ساتھ ہوا۔ نگار سلطانہ اس فلم میں بہار کا کردار ادا کر رہی تھی اور وہ اس وقت فلم کے ہدایتکار کے۔ آصف کی دوسری بیوی تھی۔ سبز آنکھوں والی نگار سلطانہ ایک سین فلم بند کروا رہی تھی کہ مدھوبالا پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ اس پر نگار سلطانہ طیش میں آ گئی اور اس نے مدھوبالا پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ مدھوبالا اچانک خاموش ہو گئی۔ ایسا لگا جیسے اسے بہت دکھ پہنچا ہے۔ نگار سلطانہ نے مدھوبالا کو اس کی اس حرکت پر کبھی معاف نہیں کیا۔ مدھوبالا کے انتقال کے کئی سال بعد ایک ٹی وی انٹرویو میں نگار سلطانہ کے رویے سے یہی لگتا تھا کہ اس نے مدھوبالا کو اب تک معاف نہیں کیا۔

ہندوستانی فلمی صنعت کے اس سنہری دور کا تذکرہ اس زمانے کے مشہور و معروف رومانوی داستانوں کے بغیر نامکمل ہوگا۔ چالیس اور پچاس کی دہائی کے مشہور ترین رومانوی جوڑے یہ تھے موتی لال اور شوبھنا سمارتھ، کامنی کوشل اور دلیپ کمار، راج کپور اور نرگس، دیو آنند اور ثریا، گورودت اور وحیدہ رحمان، اشوک کمار اور نلنی جیونت، مدھوبالا اور دلیپ کمار۔ مذکورہ جوڑوں کے تعلقات کی گہرائی اور شدت کا اندازہ ان کی فلموں سے لگایا جا سکتا ہے۔ "آوارہ، ترانہ، آرزو، چودھویں کا چاند اور مغل اعظم کے رومانوی مناظر ان سب حقائق کی تصدیق کرتے ہیں۔ مدھوبالا، دلیپ کمار، ثریا، دیو آنند کے علاوہ باقی رومانس اس لئے ناکام ہوئے کہ ان میں سے ایک پہلے ہی شادی شدہ تھا یا تھی۔ لیکن یہ بات اطمینان بخش تھی کہ ان سب رومانوی جوڑوں کی وجہ سے کوئی گھر برباد نہیں ہوا۔ مدر انڈیا کی شوٹنگ ختم ہونے کے بعد نرگس راج کپور کی زندگی سے بھی نکل گئی اور آر کے سٹوڈیو سے بھی۔ اس نے سنیل دت سے شادی کر لی اور اپنی زندگی کے اختتام تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جب نوجوان دلیپ کمار کامنی کوشل کی زلفوں کا اسیر ہوا تو اس وقت کامنی کوشل شادی شدہ تھی۔

رسم و رواج کے مطابق اپنی بہن کی موت کے بعد کامنی کوشل کو اپنے بہنوئی سے شادی کرنا پڑی۔ کامنی کوشل کا دلیپ کمار سے معاشقہ عروج پر تھا لیکن پھر وہ اچانک ختم ہو گیا۔ گورودت نے نجی زندگی کی پیچیدگیوں سے بچنے کیلئے اپنی زندگی کا خود خاتمہ کر لیا وہ ایک انتہائی ذہین اور حساس شخص تھا اور اپنے جذبات کے حوالے سے وہ صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ معروف گلوکارہ گیتا دت کا شوہر تھا۔ گورودت نے اپنی ازدواجی زندگی اور رومانس کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن سب بیکار ثابت ہوا۔ ثریا اور دیو آنند کی شادی میں ثریا کی نانی کی ضد آڑے آ گئی۔ ثریا میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کی منشا کے خلاف کوئی قدم اٹھائے۔۔۔۔ سو یہ کہانی بھی ختم ہو گئی۔ دیو آنند نے بعد میں کلپنا کارتک سے شادی کر لی جو "ٹیکسی ڈرائیور" میں اس کی ہیروئن تھی۔ کئی برسوں بعد ثریا نے ایک اخبار کو انٹرویو کے دوران یہ کہا تھا کہ دیو آنند سے شادی نہ کرنے کا دکھ تمام عمر رہے گا۔

دلیپ کمار سے شادی کے خواب چکنا چور ہونے کے بعد مدھوبالا نے کشور کمار سے شادی کر لی۔ یہ ایک انتہائی غیر متوقع اور نامناسب فیصلہ تھا اس کے کچھ برسوں بعد دلیپ کمار کی سائرہ بانو سے شادی ہو گئی۔ اور یہ شادی بھی بالکل غیر متوقع تھی۔ مدھوبالا اور دلیپ کمار کی رومانوی داستان میں حسن، جذبات، غلط فہمیاں، بیماری، عداوتی مناظر اور پھر آخر میں دل شکنی۔ اور یہ سب کسی افسانے یا ناول کا حصہ نہیں تھا بلکہ حقیقی تھا۔ اور جب یہ داستان اپنے تباہ کن انجام تک پہنچی تو تمام کرداروں پر کئی داغ چھوڑ گئی۔ سب سے زیادہ داغ اس داستان کی ہیروئن کے حصے میں آئے۔ یہ ایسے داغ تھے جو اس داستان کی ہیروئن اپنی زندگی کے خاتمے تک نہ دھو سکی۔ افسوس، صد افسوس۔۔۔۔

(جاری ہے)

مدھو بالا... ایک دیومالائی کردار

بالی وڈ کی حسن کی دیوی کی داستان حیات

عبدالحفیظ ظفر

ہندوستان کی فلمی صنعت میں اب تک بے شمار ہیروئنوں نے فلم بینوں کو اپنا دیوانہ بنائے رکھا۔ ان اداکاراؤں کو قطعی طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ خوبصورتی اور اداکاری کے حوالے سے پچھلے 70 برسوں میں ایسی ہیروئنیں پردہ سکرین پر جلوہ گر ہوئیں جنہوں نے ایک لمبے عرصے تک ہندوستانی فلمی صنعت پر راج کیا۔ ان کے مداحین کی تعداد ابھی لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں تھی۔ 50 کی دہائی میں ایک ایسی اداکارہ نے دھوم مچائے رکھی جس کا ابھی تک کوئی ثانی نہیں۔ ممتاز جہاں بیگم نامی اس ہیروئن کا فلمی نام مدھو بالا تھا۔

اس ہیروئن نے آٹھ برس کی عمر میں اداکاری شروع کی اور 27 برس کی عمر میں فلمی صنعت کو خیرباد کہہ دیا۔ جتنی شہرت اس ہیروئن کے حصے میں آئی اور دوسری کسی اداکارہ کو نہیں مل سکی۔ یہ اداکارہ حسن کا مجسمہ تو تھی ہی لیکن اس نے اپنی اداکاری کا بھی سکہ جمائے رکھا۔ بطور انسان بھی مدھو بالا کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ہندوستان کی ادیبہ خدیجہ اکبر نے اس دیومالائی ہیروئن پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے ”میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔“ مدھو بالا کہانی (I want to live the story of Madhubala) روزنامہ دنیا کے سنڈے میگزین میں اس کتاب کی تلخیص اور ترجمے کی دو اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں تیسری قسط پیش کی جا رہی ہے۔

ہندوستان کے ممتاز ہدایت کار کیدار شرما کی رائے تھی کہ مدھو بالا کی موت کا باعث بیماری نہیں تھی بلکہ ذہنی اذیت تھی۔ وہ بہت جذباتی اور حساس تھی اور اس کا دل انسانیت کے درد سے معمور تھا۔ وہ نظم و ضبط اور وقت کی بہت پابند تھی۔ ”فلم انڈیا“ نے ایک بار لکھا ”مدھو بالا ٹھیک صبح 9 بجے سٹوڈیو پہنچ جاتی تھی۔“ ہدایت کار محبوب کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی کیونکہ انہیں اپنے تکنیک کاروں کے ساتھ 9 بجے سٹوڈیو پہنچنا پڑتا ہے۔ یہ سب سٹوڈیو پہنچ کر دلیپ کمار کو نیند سے جگاتے ہیں کیونکہ وہ آج کل رات کو سٹوڈیو میں سو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ہیروئن اپنے مقررہ وقت پر پہنچ جاتی ہے۔

”کالا پانی“ کے سیٹ پر مدھو بالا میک اپ کر کے بیٹھی ہوئی تھی کہ فلم پروڈیوسر اور اداکار دیو آنند کی گاڑی سٹوڈیو میں داخل ہوئی۔ مدھو بالا نے تاخیر سے آنے پر دیو آنند سے کچھ نہیں کہا۔ ہنستے ہوئے بولی ”السلام وعلیکم پروڈیوسر صاحب۔“ اداکارہ نادرہ نے بتایا میں اس دن سٹوڈیو میں تھی۔ جب میں نے مدھو بالا کو میک اپ روم سے باہر آتے دیکھا اور دیو آنند کی گاڑی سٹوڈیو کے اندر آ رہی تھی۔ ”السلام وعلیکم پروڈیوسر صاحب“ اس نے ہنستے ہوئے یہ فقرہ کہا۔ اس کے لہجے میں بلا کی شوخی تھی۔ وہ دیو آنند کو بتا رہی تھی کہ ایک آرٹسٹ ہونے کے ناطے میں تو وقت پر پہنچ گئی ہوں جبکہ آپ تو پروڈیوسر ہیں اور آپ کو تو مجھ سے پہلے سیٹ پر ہونا چاہیے تھا۔ دیو آنند کا کہنا تھا جب مدھو بالا سیٹ پر ہو تو آپ کو اپنا شیڈول آگے کرنا پڑتا ہے۔ سہراب مودی کی ”راج ہٹ“ کی شوٹنگ کے پہلے دن مدھو بالا طے شدہ وقت کے مطابق ساڑھے آٹھ بجے سٹوڈیو پہنچی۔ سٹوڈیو کا گیٹ اور میک اپ روم بند تھے۔ اگلی صبح ہر شخص کام کیلئے تیار تھا اور جب مدھو بالا کی کار سٹوڈیو میں داخل ہوئی سیٹ پر سب موجود تھے۔ سہراب مودی بھی پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ اداکارہ نادرہ نے بتایا مدھو بالا کو اگر پروڈیوسر کا خرچ بچانے کیلئے سیٹ پر دیر تک بیٹھنا پڑتا تو وہ بیٹھتی تھی۔ وہ اپنی وجہ سے کسی کا مالی نقصان نہیں چاہتی تھی۔ اس دن وہ گھر میں اپنے باپ سے جھوٹ بولی کہ وہ ٹریفک میں پھنس گئی تھی۔ اس لیے دیر ہو گئی۔ فلمساز و ہدایت کار شکتی سامنتا اور راج کھوسلہ نے مدھو بالا کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کبھی کسی کیلئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ وہ ایک سنجیدہ، شفیق و ہمدرد خاتون تھی۔ خوش اخلاقی اس کا زیور تھا۔ اس نے کبھی کوئی گھٹیا بات نہیں کی۔ وہ شہرت کی بھوکی تھی نہ دولت کے انبار اسے اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ کبھی کبھی اس کی بے نیازی دیکھ کر انسان حیرت میں ڈوب جاتا تھا۔ اسے اس امر کا احساس ہی نہ تھا کہ وہ مقبولیت کے عروج پر ہے اور دولت کی بھی اس کے پاس کوئی کمی نہیں۔ حسن کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اداکارہ کی حیثیت سے بھی اس کی صلاحیتیں حیران کن تھیں اور پھر یہ سب اس نے اس عمر میں حاصل کر لیا جس کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مدھو بالا کی کتاب زندگی کا ہر ورق حیران کر دیتا تھا۔

کچھ لوگ مدھو بالا اور ہالی وڈ کی مشہور اداکارہ مارلن منرو میں مماثلت ڈھونڈتے ہیں۔ دونوں کا چہرہ بہت نرم و نازک تھا۔ دونوں کی آنکھیں خواب زدہ تھیں۔ دانتوں میں بھی مکمل مماثلت تھی۔ البتہ دونوں کی ناک میں تھوڑا سا نقص تھا۔ مدھو بالا کی ناک تھوڑی سی نمایاں تھی جبکہ مارلن منرو اپنے ایک ہونٹ کو ڈھیلا چھوڑ دیتی تھی تاکہ فوٹو بنواتے وقت اس کی ناک کا سایہ زیادہ نہ پڑے۔ جہاں تک اداکاری کا تعلق ہے دونوں نے اس فن میں مہارت حاصل کرنے کیلئے بہت جدوجہد کی۔ مدھو بالا نے اپنے کام کی طرف مکمل توجہ دی اور اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتیں اپنے کیریئر کیلئے وقف کر دیں۔ وہ فلم کا سکرپٹ مکمل طور پر خود پڑھتی تھی، اگرچہ اسے اکثر یہ شکایت رہتی تھی کہ اسے مکمل سکرپٹ نہیں دیا جاتا۔ مارلن منرو نے اداکاری سیکھنے کے لیے نیویارک کے ایک سکول میں داخلہ لیا۔ دونوں کی اداکاری میں کمال کی بے ساختگی تھی اور اداکاری کرتے وقت وہ کوئی مشکل محسوس نہیں کرتی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر خوشی محسوس ہوتی تھی لیکن دونوں کو اپنی زندگی میں وہ حق نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق تھیں۔ دونوں کو کوئی ایوارڈ نہیں ملا۔ دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھیں۔ مارلن منرو کا انتقال 1962ء میں ہوا اور مدھو بالا 1969 میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئی اور دونوں کی عمریں بھی ایک جتنی تھی یعنی 36 سال۔ یہ تو تھی مشترکہ باتیں کچھ اور حوالوں سے مارلن منرو اور مدھو بالا کے اسلوب زیست میں بہت فرق دکھائی دیتا ہے۔ مدھو بالا نے کبھی اپنے آپ کو سیکس سمبل کے طور پر نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے پریس اور عوام دونوں کو اپنے سے دور رکھا ہوا تھا۔ اس کے برعکس مارلن منرو ہر وقت لوگوں سے رابطے میں رہتی تھی۔ وہ ہر وقت شہرت کی طلبگار رہتی تھی۔ خودنمائی کا شوق اسے پاگل کیے رکھتا تھا۔ مدھو بالا نظم وضبط کی بہت پابند تھی جبکہ مارلن منرو اس سے بالکل بے بہرہ۔ چونکہ مدھو بالا اپنی فلم کے کسی سیٹ پر صحافیوں کو آنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، (اور یہ پابندی اس کے باپ عطاء اللہ خان کی طرف سے لگائی گئی تھی)، صحافیوں نے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں کہانیاں چھاپنا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ مدھو بالا کے مذہب اور اس کے خاندانی پس منظر پر بھی حملے شروع کر دیے گئے۔ اس پر مدھو بالا کا والد عطاء اللہ خان سیخ پا ہو گیا اور اس نے فلمسازوں پر زور دیا کہ وہ مدھو بالا کی فلموں کے اشتہارات ان جرائد میں نہ دیں جو اس کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ اس سے کشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔ بعض صحافی تو گالی گلوچ پر اتر آئے اور انہوں نے مدھو بالا کو دھمکانا شروع کر دیا۔ انہوں نے مدھو بالا سے کہا کہ وہ اسے اپنی فلموں کے سیٹ پر آنے کی اجازت دے ورنہ اسے سنگین نتائج کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس پر فلم سازوں نے صحافیوں کو مدھو بالا کی فلموں کے سیٹ سے باہر نکالنا شروع کر دیا تاکہ مدھو بالا یکسوئی سے اپنا کام کر سکے۔ دھمکیاں جاری رہیں۔ مدھو بالا کو دھمکی دی گئی کہ اس کا چہرہ بگاڑ دیا جائے گا، اس کے باپ عطاء اللہ کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ کبھی یہ کہا گیا کہ تمام جرائد اس کا بائیکاٹ کر دیں گے اور اس کا فلمی کیریئر تباہ کر دیا جائے گا۔ مدھو بالا سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو گئی۔ اس موقع پر صوبائی حکومت نے مدھو بالا کو اپنے تحفظ کے لیے ریوالور رکھنے کی اجازت دے دی۔ بمبئی کے وزیر داخلہ مرارجی ڈیسائی نے مدھو بالا کے لیے ایک مسلح گارڈ کی منظوری دی اور مدھو بالا کو تین ماہ تک یہ تحفظ حاصل رہا۔ اس کی فلم ”پردیس“ کی ریلیز پر پابندی لگوانے کی بھی کوششیں کی گئیں۔ اس کے غیر شائستہ کارٹون چھاپے گئے اور اسے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔

فلمی پریس کے ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود مدھو بالا کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کی فلم ”بہتے آنسو“ بھی سپرہٹ ہو گئی۔ اس کے مداحین نے واشگاف الفاظ میں صحافیوں کی مذمت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مدھو بالا پر اپنی شرائط عائد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اگر ایک ادیب کوئی کتاب تخلیق کر رہا تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کے کام میں خلل ڈالے۔ انہوں نے ایسے صحافیوں کو اخلاقی اور ذہنی طور پر بیمار قرار دیا۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ فلمی جرائد کے مالکوں اور عطاء اللہ خان نے فیصلہ کیا کہ بہت ہو گیا اب معاملے کو ختم کر دیا جائے۔ ایک اور جریدے ”باکس آفس“ کے ایڈیٹر نے غیر مشروط معافی مانگ لی۔ معروف صحافی کرانجیا نے مووی ٹائمز میں لکھا:

”ہم صحافیوں نے ضرورت سے زیادہ ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ ہمارا قصور زیادہ تھا۔ میں اس وقت نوجوان تھا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ دونوں طرف سے انا پرستی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک ایکشن کمیٹی بنائی گئی جس کا اجلاس میرے گھر منعقد ہوا۔ میں نے اس اجلاس میں مدھو بالا اور اس کے والد عطاء اللہ خان کو بلوایا جہاں سب معاملات ٹھیک ہو گئے۔ عطاء اللہ خان نے ہمیں گلے سے لگایا۔ وہ صحافیوں کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ مدھو بالا میری کمسن بیٹی سے آنکھ مچولی کھیلنے لگی۔ میں نے اس کی کئی فلمیں دیکھ رکھی تھیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے مدھو بالا کو اپنے سامنے دیکھا۔ آپ یقین کریں میں ہکا بکا رہ گیا۔ میں مدھو بالا کی شخصیت میں اس قدر کھو گیا کہ آداب بھی بھول گیا اور جب وہ میرے سامنے کھڑی تھی تو میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔ پھر میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا۔ میں ابھی تک حواس باختہ تھا۔

میں معافی کا طلبگار ہوا کہ میں احتراماً کھڑا نہیں ہو سکا۔ پھر میں نے سوچا کہ کیمرہ اس غیر معمولی خوبصورتی کا کیسے مقابلہ کرتا ہو گا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔ گہری بھوری آنکھیں اور سرخی مائل بھورے بال، قد پانچ فٹ چھ انچ اور چہرے کے خدوخال انگریز لڑکیوں کی طرح۔ وہ میک اپ کے بغیر تھی اور سفید ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اگر بے شمار لوگ مدھو بالا سے محبت کرتے تھے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی کسی تصویر نے اس سے انصاف نہیں کیا۔ مجھے یہ سوچ کر بہت ندامت ہوتی کہ ہم ایک سال سے زیادہ اتنی خوبصورت لڑکی پر تنقید کے پتھر برساتے رہے۔ اگلی اتوار کو ہم صحافیوں کو مدھو بالا کی رہائش گاہ پر چائے کی دعوت دی گئی۔ اس رہائش گاہ کا نام تھا عربین ولا (Arabian Villa)'' گیٹ پر سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ خود خان صاحب کھڑے تھے۔ انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ ہم آٹھ یا نو صحافی تھے جنہیں ایک چھوٹے مگر انتہائی خوبصورت ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا۔ اس ڈرائنگ روم کو شاندار قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ دوسرے فلمی ستاروں کے گھروں کے برعکس میں نے اس ڈرائنگ روم کی دیوار پر مدھو بالا کی کوئی تصویر نہیں دیکھی۔ عطاء اللہ خان ایک خطرناک دشمن تھا لیکن ہم نے اسے ایک بہت اچھا دوست پایا۔ میری عطاء اللہ خان سے اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ فلم کے بارے میں بہت وسیع معلومات رکھتا تھا۔ میں نے تو اس بات کو بھی بہت پسند کیا کہ عطاء اللہ خان نے اپنی سٹار بیٹی کو نظم وضبط کا پابند کیا ہوا ہے جو دوسری سٹارز کے لیے بھی ایک مثال تھا۔

مدھو بالا کی زندگی میں بحران اس وقت شروع ہوا جب اس نے بی آر چوپڑہ کی فلم ”نیا دور“ سائن کی۔ اس میں دلیپ کمار ہیرو تھا۔ کاردار سٹوڈیو میں کئی دن ان ڈور شوٹنگ ہوتی رہی۔ چوپڑہ کا کہنا تھا کہ مدھو بالا کے ساتھ کام کرنا ایک نہایت خوشگوار تجربہ تھا۔ اس نے ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں دی۔ اس کے بعد بھوپال میں آؤٹ ڈور شوٹنگ کا اعلان کیا گیا۔ عطاء اللہ نے مدھو بالا کو بھوپال بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تناؤ کی صورتحال پیدا ہو گئی اور نتیجے کے طور پر معاملہ عدالت میں جا پہنچا۔ بی آر چوپڑہ کا موقف تھا کہ اس نے مدھو بالا کو فلم کی ہیروئن کے لیے سائن کیا ہے اور بھوپال میں آؤٹ ڈور شوٹنگ فلم کی ضرورت ہے اور مدھو بالا پر یہ لازم ہے کہ وہ معاہدے کی پاسداری کرے۔ معاملہ مزید بگڑ گیا۔ جب عطاء اللہ خان نے ایڈوانس کی رقم جو 30 ہزار تھے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر چوپڑہ نے دونوں باپ بیٹی پر مقدمہ دائر کر دیا اور مدھو بالا کی جگہ وجینتی مالا کو کاسٹ کر لیا۔ فلم کی ریلیز کے بعد اس نے یکطرفہ طور پر مقدمہ واپس لے لیا۔

دلیپ کمار نے اس موضوع پر کبھی بات نہیں کی۔ دراصل عطاء اللہ خان مدھو بالا کی صحت کے حوالے سے بہت فکرمند تھا اور اس کی رائے تھی کہ اس کے لیے اتنا لمبا سفر ٹھیک نہیں ہو گا۔

اوم پرکاش نے بتایا کہ ایک فلم کے سیٹ پر دلیپ کمار نے مجھے بلا بھیجا۔ میں جب کمرے میں پہنچا تو وہ وہاں مدھو بالا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے میرے سامنے مدھو بالا کی منتیں کیں کہ وہ ابھی اور اسی وقت اس سے شادی کر لے۔ اگرچہ مدھو بالا دلیپ سے بہت محبت کرتی تھی لیکن وہ اپنے باپ سے بغاوت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے باپ کی انتہائی فرمانبردار بیٹی تھی۔

بہت سے لوگ مدھو بالا اور اس دور کی ہالی وڈ کی مشہور اداکارہ مارلن منرو میں مماثلت ڈھونڈتے ہیں۔ کچھ چیزیں تو مشترک تھیں لیکن کچھ باتوں کے حوالے سے دونوں میں بہت فرق تھا۔ مدھو بالا کو خودنمائی کا شوق نہیں تھا جبکہ مارلن منرو ہر وقت شہرت کی طلب گار رہتی تھی۔ مدھو بالا نظم وضبط کی بہت پابند تھی لیکن مارلن منرو اس سے بالکل بے بہرہ۔

I WANT TO LIVE
THE STORY OF MADHUBALA
KHATIJA AKBAR

والدین کو اپنی اولاد کی صحت ہمیشہ عزیز ہوتی ہے۔ ٹی جے ایس جارج نے اپنی کتاب "نرگس کی داستان زیست" میں لکھا ہے کہ راج کپور نرگس کو اپنی فلم "برسات" کی شوٹنگ کیلئے کشمیر لے جانا چاہتا تھا لیکن نرگس کی ماں جدن بائی نے مخالفت کی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کے تحفظ کے بارے میں فکرمند تھی۔ راج کپور نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا لیکن مدھو بالا کے معاملے میں بی آر چوپڑہ عدالت جا پہنچا۔ یہ بات پوری فلمی صنعت کو معلوم تھی کہ مدھو بالا آؤٹ ڈور شوٹنگ کیلئے نہیں جاتی کیونکہ وہ دل کے عارضے میں مبتلا تھی۔ عطاء اللہ خان نے بھی کبھی یہ بات کسی سے نہیں چھپائی۔

چوپڑا نے فوری طور پر مدھو بالا کو اپنی فلم سے کٹ کر کے وجنتی مالا کو لے لیا جس پر عطاء اللہ خان کو بہت غصہ آیا۔ اس نے معاملہ عدالت لے جانے کی دھمکی دی لیکن اس سے پہلے یہ کام چوپڑہ نے کر دیا۔ عطاء اللہ خان نے الزام لگایا کہ چوپڑہ یہ سب کچھ اپنی فلم کی پبلسٹی کے لیے کر رہا ہے۔ اس مقدمے کی وجہ سے دلیپ کمار اور مدھو بالا کی راہیں جدا ہو گئیں۔

مدھو بالا اور دلیپ کمار کے رومانس کو عطاء اللہ خان اپنی شدید مخالفت کے باوجود ختم نہ کر سکا لیکن یہ کام "نیا دور" کے فلمساز بی آر چوپڑہ کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ اس مقدمے کو جیتنے کے لیے بی آر چوپڑہ کو اپنے ہیرو دلیپ کمار کی مدد کی سخت ضرورت تھی کیونکہ دلیپ کمار کی معاونت کے بغیر چوپڑہ کچھ نہ کر سکتا تھا اس وقت وہ کوئی بڑا نام بھی نہیں تھا۔ دلیپ کمار نے توقعات کے برعکس مدھو بالا اور عطاء اللہ خان کے بجائے بی آر چوپڑہ کا ساتھ دیا۔ اداکار اجیت کے مطابق دلیپ کمار کی مدد کے بغیر چوپڑہ صاحب کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔ دلیپ کمار ہی اس وقت چوپڑہ کا سب سے طاقتور ستون تھا۔ دلیپ کمار نے عدالت میں مدھو بالا کے خلاف گواہی دی اور مدھو بالا حیرت کا مجسمہ بنی اسے دیکھتی رہی۔ وہ یہ سوچتی رہی کہ آخر اس شخص نے میرے ارمانوں اور بھروسے کا خون کیوں کیا؟ اجیت نے کہا میں نے بے پناہ کوشش کی کہ دلیپ کمار کو عدالت جانے سے روکوں لیکن اس نے کہا "کیا کروں میں پھنس چکا ہوں۔"

مدھو بالا کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ وہ صرف دلیپ کمار سے محبت کرتی تھی اور وہ بھی اس کی محبت میں گرفتار تھا پھر اس نے اتنا مخالفانہ رویہ کیوں اختیار کیا؟ بی آر چوپڑہ کو خوش کرنے کیلئے۔ کیا بی آر چوپڑہ مجھ سے زیادہ اہم تھا۔ عدالت میں دو خطوط پڑھے گئے۔ ایک خط دلیپ کمار نے عطاء اللہ خان کو لکھا تھا جبکہ دوسرا خط عطاء اللہ خان نے دلیپ کمار کو تحریر کیا تھا۔ دونوں خطوط کی زبان بڑی سخت تھی۔ عدالت میں دلیپ کمار نے ڈٹ کر مدھو بالا اور عطاء اللہ خان کے خلاف گواہی دی۔ اس کے رویے سے ذرا بھی یہ احساس نہیں ٹپکتا تھا کہ سزا ہونے کی صورت میں مدھو بالا جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی جا سکتی ہے۔ جرح کے دوران دلیپ کمار نے عدالت کے سامنے یہ اعلان کیا "میں مدھو بالا سے محبت کرتا ہوں اور اس کی موت تک اس سے محبت کرتا رہوں گا" حالانکہ محبت کرنے والے عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی موت تک اپنی محبوبہ سے محبت کرتے رہیں گے۔ یہاں کچھ معاملہ الگ تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعلان کرنے کا آخر مقصد کیا تھا۔ محض یہ کہ مدھو بالا کو اذیت دی جائے۔ دلیپ کمار کی طرف سے ایسے ردعمل کا مظاہرہ اس کے شایان شان نہیں تھا۔ اس سارے ڈرامے کا ولن بی آر چوپڑہ تھا۔ لیکن عطاء اللہ خان کی بھی ایک خواہش پوری ہو گئی اور وہ تھی مدھو بالا اور دلیپ کمار کی علیحدگی۔ مدھو بالا واضح طور پر یہ کہہ چکی تھی کہ شادی کے بعد وہ فلموں میں کام نہیں کرے گی اور دلیپ کمار کی بھی یہی آرزو تھی کہ مدھو بالا شادی کے بعد فلموں میں کام نہ کرے۔ یہ بات عطاء اللہ کیلئے ناقابل قبول تھی۔ اگر مدھو بالا فلموں میں کام کرنا چھوڑ دیتی تو عطاء اللہ خان کی آمدنی کا ذریعہ ختم ہو جاتا اسے ہر وقت یہی خوف لاحق رہتا تھا کہ دلیپ کمار شادی کے بعد اس کی بیٹی کو کام سے روک دے گا اور پھر اس کی بیٹی نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے عطاء اللہ خان نے دلیپ کمار اور مدھو بالا کا رومانس ختم کرانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس کی تمام کاوشیں بے سود ثابت ہوئیں۔ لیکن بی آر چوپڑہ نے جب مقدمہ دائر کیا اور دلیپ کمار نے مدھو بالا کے خلاف گواہی دی تو عطاء اللہ خان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس نے طنز بھرے لہجے میں اپنی بیٹی سے کہا تھا:

"کیا یہی وہ شخص ہے جو بقول تمہارے تم سے شدید محبت کرتا ہے، دیکھ لی اس کی محبت۔" اور مدھو بالا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ خاموشی سے اپنے باپ کی باتیں سنتی رہی اور آنسو بہاتی رہی۔

آخر وہ کیا وجہ تھی کہ دلیپ کمار نے مدھو بالا کے خلاف گواہی دی۔ اس کا بھی بعد میں پتہ چل گیا۔ غالباً 1956ء میں ایک فلم کے سیٹ پر اداکار اوم پرکاش کو ایک چٹ ملی۔ دلیپ کمار نے اسے سٹوڈیو کے ایک کمرے میں بلایا تھا۔ جب اوم پرکاش وہاں پہنچا تو وہاں دلیپ کمار، مدھو بالا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اوم پرکاش کے بقول دلیپ کمار مدھو بالا کی منت سماجت کر رہا تھا کہ وہ اس سے ابھی شادی کر لے۔

وہ مدھو بالا سے کہہ رہا تھا کہ اپنی نجی زندگی کے بارے میں فیصلے اسے خود کرنے چاہئیں اور وہ باپ کی اس قدر فرمانبرداری سے اجتناب کرے۔ لیکن مدھو بالا اپنے باپ کی منشاء کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھی۔ دلیپ کمار کی مدھو بالا کو قائل کرنے کی تمام کاوشیں ناکام ہو گئیں۔ اوم پرکاش نے کہا دلیپ کمار نے میرے سامنے اس سے کہا تھا کہ اگر تم آج میری بات نہیں مانو گی تو میں کبھی پلٹ کر نہ آؤں گا۔ اوم پرکاش کی رائے میں مدھو بالا کو یہ جرأت مندانہ قدم اٹھا لینا چاہیے تھا دونوں کی جوڑی کمال کی تھی۔ پوری ہندوستانی فلمی صنعت میں اس جوڑی کا کوئی ثانی نہ تھا لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

غالباً دلیپ کمار نے مدھو بالا کے خلاف گواہی دے کر اس سے انتقام لیا تھا۔ لگتا یہی ہے کہ مدھو بالا نے اس کی بات نہ مان کر اسے سخت ذہنی اذیت سے دوچار کیا تھا۔ لیکن عدالت کے روبرو بھی اس نے مدھو بالا سے اپنی محبت کا اقرار کیا۔ شمی کپور کے مطابق دلیپ کمار کو مدھو بالا سے شادی کر لینی چاہیے تھی۔ یہ ایک بے مثال جوڑی تھی دونوں کی محبت کے قصے زبان زد عام تھے شمی کپور نے کہا مدھو بالا سے تعلق ختم ہونے کے بعد میں نے دلیپ کمار کے چہرے پر کبھی خوشی نہیں دیکھی۔ لگتا تھا وہ اطمینان اور شادمانی سے محروم ہو گیا ہے

مقدمے کے بعد ان دلیپ کمار کے پاس کچھ کہنے کو رہا اور نہ مدھو بالا کے پاس سننے کیلئے کچھ بچا۔ سب ختم ہو گیا۔ ایک اور اطلاع یہ تھی کہ دلیپ کمار نے عطاء اللہ خان سے کہا تھا کہ وہ اپنی فلم "گنگا جمنا" بنا رہا ہے اور وہ اس کا سارا منافع اسے دے دے گا تاکہ اسے مالی عدم تحفظ کا احساس نہ ہو۔ بس وہ مدھو بالا سے اس کی شادی پر رضامند ہو جائے۔ دلیپ کمار کو یقین تھا کہ عطاء اللہ خان اس کی یہ پیشکش قبول کرے گا لیکن شومئی قسمت کہ عطاء اللہ خان نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا... اور "ٹریجڈی کنگ" کا خطاب پانے والا حقیقی زندگی میں ٹریجڈی کا شکار ہو گیا۔

"نیا دور" سپرہٹ ثابت ہوئی اور اس فلم میں دلیپ کمار کو بہترین اداکاری پر فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔ مقدمہ بھی ختم ہو گیا، بی آر چوپڑہ کی خوشی دیدنی تھی۔ عطاء اللہ خان کی امنگوں کے مطابق دلیپ کمار اور مدھو بالا کا رومانس بھی ختم ہو گیا لیکن اس سارے ڈرامے کا سب سے زیادہ نقصان مدھو بالا کو ہوا۔ اب اس کے پاس تلخ یادوں کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔

1952ء میں شمی کپور اکیس سال کا چھلا بلا دراز قد خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ اپنا فلمی کیریئر شروع کرنے والا تھا۔ تھیٹرز میں کام کرنے سے اس میں نسبتاً اعتماد آ چکا تھا وہ اس دور کے بڑے ہدایت کار اے آر کاردار اور مہیش کول کے ساتھ بھی کسی مشکل کے بغیر کام کر لیتا تھا۔ وہ کبھی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوا۔ ابھی "جیون جیوتی" تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی کہ اس نے دوسری فلم "ریل کا ڈبہ" سائن کی۔ اس فلم کی ہیروئن مدھو بالا تھی۔ جب پہلی بار سیٹ پر شمی کپور کا مدھو بالا سے سامنا ہوا تو شمی کو ایسے لگا جیسے اس کا سارا اعتماد متزلزل ہو گیا ہو۔ اسے اس بات کا پتہ ہی نہیں چلا کہ آخر کس چیز نے اسے ہلا کے رکھ دیا ہے۔ ایسا لگا جیسے اس کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔ مدھو بالا سے آنکھیں ہٹانا اس کے لئے ناممکن تھا۔ شمی کپور کا کہنا تھا: "مدھو بالا کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں بہت گھبرا گیا تھا۔ میں اکثر اپنے مکالمے بھول جایا کرتا تھا۔ میں جب اس کی طرف دیکھتا تھا تو کہیں کھو جاتا تھا۔ میری زبان گنگ ہو جایا کرتی تھی۔ مدھو بالا بھی یہ سب کچھ جانتی تھی اور پھر آہستہ آہستہ اس نے میری مدد کرنا شروع کر دی۔ میں فوراً ہی مدھو بالا کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ مدھو بالا سے زیادہ خوبصورت عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ وہ تو مجھے ایک پری لگتی تھی"۔

مدھو بالا کی عمر اس وقت صرف 19 سال تھی لیکن اس میں وہ ذہنی پختگی تھی جو اسے سالہا سال کی اداکاری کے تجربے نے دی تھی۔ شمی کپور نے کہا: "مجھے ایسا لگتا تھا کہ یہ لڑکی 200 سال سے کام کر رہی ہے"۔ شمی کپور مدھو بالا کے عشق میں بری طرح گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے مدھو بالا سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے یادیں تروتازہ کرتے ہوئے کہا: "ہم لوگ آج کی نوجوان نسل کے مقابلے میں بہت معصوم تھے ہم لوگ دھوکہ بازی میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ ہمارے نزدیک کسی سے محبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ مجھے یاد ہے میں اپنی والدہ کے پاس گیا اور میں نے چیختے ہوئے کہا میں مدھو بالا سے ضرور شادی کروں گا۔ ہمارے زمانے میں معاشرہ بڑا قدامت پرست تھا۔ مذہب کا مختلف ہونا قابل قبول نہیں تھا۔ میری والدہ نے میری بات سن کر کہا "کیا تم اپنے حواس کھو بیٹھے ہو جانتے نہیں کہ مدھو بالا مسلمان ہے"۔

مدھو بالا خود دلیپ کمار کے عشق میں گرفتار تھی۔ شمی کپور نے اس بارے میں کہا "دراصل مجھے مدھو بالا نے اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ وہ ایک بہت شفیق اور مخلص عورت تھی"۔

دلیپ کمار سے عشق اپنی جگہ لیکن شمی کپور سے بھی مدھو بالا کو بہت لگاؤ تھا۔ لیکن اسے عشق کا نام نہیں دیا جا سکتا۔"

شمی کپور مدھو بالا سے تو شادی نہ کر سکا لیکن اس کے بعد وہ جس کی محبت میں دیوانہ ہوا وہ گیتا بالی تھی۔ جس سے اس نے شادی کر لی۔ مدھو بالا اور گیتا بالی میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ مدھو بالا نے اسے مبارکباد دی۔ "ریل کا ڈبہ" کے علاوہ شمی کپور نے مدھو بالا کے ساتھ "نقاب" اور "بوائے فرینڈ" میں کام کیا۔

شمی کپور کے مطابق "بوائے فرینڈ" کی ریلیز کے بعد اداکاری کے میدان میں اس کے پیر جم گئے۔

مدھو بالا کی فلموں میں "مسٹر اینڈ مسز 55" شمی کپور کو سب سے زیادہ پسند ہے لیکن "مغل اعظم" اس کی اداکاری کی معراج ہے۔

مدھو بالا کی ہم عصر اداکارہ نادرہ کا کہنا تھا کہ مدھو بالا کے حسن وجمال کے بارے میں تو کوئی بات کی ہی نہیں جا سکتی لیکن اس کے علاوہ وہ ایک فطری اداکارہ بھی تھی۔ ایک فلم میں وہ پردیپ کمار کے ساتھ کام کر رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ پردیپ کمار سخت گھبراہٹ کے عالم میں تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔ پھر مدھو بالا نے پردیپ کمار سے کچھ بات کی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے فوری بعد پردیپ کمار پرسکون ہو گیا۔ مدھو بالا بہت محبت کرنے والی تھی۔ وہ ایک عظیم انسان تھی۔

دادا منی اشوک کمار نے مدھو بالا کے بارے میں کہا وہ ایک پیدائشی آرٹسٹ تھی۔ مدھو بالا اور گیتا بالی کے معیار کی اداکارائیں آپ کو آج کے دور میں نہیں ملیں گی۔ مجھے مدھو بالا کی ساری فلمیں پسند ہیں۔ "ہوڑا برج" میں اس نے چونکا دینے والی اداکاری کی تھی۔ اس فلم میں مدھو بالا نے اینگلو انڈین کلب ڈانسر کا کردار ادا کیا تھا۔ اس نے گانوں کی پکچرائزیشن اتنی عمدگی سے کی کہ ہر شخص عش عش کر اٹھا۔ خاص طور پر یہ گانا "آیئے مہرباں، بیٹھئے جان جاں" میں مدھو نے اداکاری کا ایک نیا معیار قائم کیا۔ اشوک کمار کی بیٹی بھارتی جعفری کا کہنا تھا مدھو بالا انتہائی حسین، انتہائی محبت کرنے والی اور انتہائی حساس اداکارہ تھی۔ وہ ایک پراسرار شخصیت کی مالک تھی، اور اس کی مسکراہٹ کا تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

موتی لال کے ساتھ مدھو بالا نے صرف ایک فلم میں کام کیا اور وہ تھی "بہتے آنسو" یہ فلم 1950ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ سترہ سال کی ہیروئن نے موتی لال اور گوپ جیسے جہاں دیدہ اداکاروں کے ساتھ کام کیا جو کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اپنی فطری اداکاری سے اس نے موتی لال اور گوپ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ 1957ء میں اوم پرکاش نے ایک فلم "گیٹ وے آف انڈیا" بنانے کا فیصلہ کیا وہ مدھو بالا کو ہیروئن کا کردار دینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں ظاہر ہے اوم پرکاش کو عطاء اللہ خان سے بات کرنا پڑی۔ اوم پرکاش کا کہنا تھا: "میں نے سن رکھا تھا کہ عطاء اللہ خان ایک سخت گیر اور بدمزاج آدمی ہے لیکن میرے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ اس نے صرف ایک شرط رکھی کہ مدھو بالا رات کے وقت شوٹنگ نہیں کرے گی۔ اب میرا مسئلہ یہ تھا کہ میری فلم کی تمام تر شوٹنگز رات کے وقت ہی ہونی تھیں۔ اس فلم کی کہانی ایک رات کی تھی۔ اور صبح ہوتے ہی اس فلم کا اختتام ہو جاتا تھا۔ اوم پرکاش نے عطاء اللہ خان کو قائل کرنے کی بے انتہا کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے اوم پرکاش سے کہا کہ وہ چائے کا کپ پیئے اور بھاگ جائے۔ اوم پرکاش نے بھاگنے سے انکار کر دیا۔ اس دن اتوار تھا۔ اوم پرکاش کو یقین تھا کہ مدھو بالا گھر پر ہے۔ اس نے مدھو بالا سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مدھو بالا نیچے آئی تو اوم پرکاش نے "سارا معاملہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ مدھو بالا کو فلم کی کہانی بہت پسند آئی۔ دراصل اس فلم کی کہانی ایک لڑکی کے گرد گھومتی تھی جس کا کردار اسے ادا کرنا تھا۔ اوم پرکاش نے مدھو بالا کو بتایا کہ فلم کی شوٹنگ آدھی رات کے بعد ہوا کرے گی۔ جب سڑکوں پر نہ ٹریفک ہو گی اور نہ ہی لوگ۔

مدھو بالا نے فوراً ہاں کر دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ غیر متوقع طور پر عطاء اللہ خان نے گرین سگنل دے دیا۔ اوم پرکاش کے مطابق اس فلم کی شوٹنگ میں دن تک ہوتی رہی، زیادہ تر سڑکوں اور گلیوں میں شوٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔ مدھو بالا نے بڑی خوبصورت اداکاری کی۔ اس کے ساتھ اس فلم میں پردیپ کمار، جانی واکر، اوم پرکاش اور بھگوان نے بھی کام کیا تھا۔

بھارت بھوشن نے مدھو بالا کے ساتھ تین فلموں میں کام کیا تھا۔ 1960ء میں ریلیز ہونے والی "برسات کی رات" ایک مسلم سوشل فلم تھی۔ یہ ایک رومانوی فلم تھی اور اس کے گیت ناقابل فراموش تھے۔ اس کے علاوہ اس کی قوالیوں نے بھی ہر جگہ دھوم مچا دی۔ بھارت بھوشن کی بیوی سرلا مدھو بالا کی قریبی دوستوں میں سے ایک تھی۔ وہ اس سے طویل بات چیت کرتی رہتی اور اکثر فلم دیکھنے بھی اس کے ساتھ چلی جاتی۔ دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد سرلا کا انتقال ہو گیا۔ مدھو بالا کیلئے سرلا کی موت ایک بڑا دھچکا تھی۔ اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا "میری ایک ہی دوست تھی، افسوس وہ بھی اس جہاں سے رخصت ہو گئی"

راج کپور مدھو بالا کی پہلی فلم (بطور ہیروئن) "نیل کمل" اور آخری فلم "چالاک" کا ہیرو تھا۔ "چالاک" ریلیز نہ ہو سکی۔ کیدار شرما کی فلم "نیل کمل" کو مدھو بالا اور راج کپور کی پہلی فلم کہا جاتا ہے اور یہ سب کو یاد ہے لیکن "وجے"، "دل کی رانی" اور "امر پریم" کو بھلا دیا گیا ہے۔ بارہ برس بعد مدھو بالا اور راج کپور "دو استاد" میں نمودار ہوئے۔

بیماری نے مدھو بالا کو اداکاری چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ "چالاک" تکمیل کے بالکل قریب تھی لیکن بیماری کی وجہ سے مدھو بالا فلم کی تھوڑی سی شوٹنگ مکمل نہ کرا سکی۔ 1966ء میں جب اس کی صحت میں تھوڑی سی بہتری آئی تو اس نے اپنا کام مکمل کروانے کیلئے جرأت مندانہ کوشش کی تاکہ فلم مکمل ہو جائے اور پروڈیوسر نقصان سے بچ جائے۔ نادرہ کے مطابق جب مدھو بالا سیٹ پر آئی تو بہت بیمار تھی۔ راج کپور کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ ذہنی دباؤ کے باعث وہ کہیں گر نہ پڑے۔

فلم میڈیا نے مدھو بالا کی واپسی کا خیر مقدم کیا۔ سیٹ پر مدھو بالا کی جو تصویریں لی گئیں اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ بیمار ہے لیکن وہ اب بھی ہنستی رہتی تھی اور اس کا حسن بھی پہلے کی طرح تابناک تھا۔ لیکن وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ چند دن شوٹنگ کے بعد مدھو بالا کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ پھر وہ دوبارہ سیٹ پر نہیں آئی اور "چالاک" نامکمل رہی۔ (جاری ہے)

دیو آنند نے کہا مدھو بالا ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔ وہ نظم وضبط کی بہت پابند تھی۔ وہ ایک تنومند، متحرک، ذہین اور بلا کی حسین عورت تھی۔ ہم لوگ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زندگی سے بھرپور مدھو بالا اچانک فلمی دنیا سے الگ ہو جائے گی

1958ء میں ریلیز ہونے والی فلم "نیا دور" نے مدھو بالا اور دلیپ کمار کی راہیں جدا کر دیں۔ اس فلم میں وجنتی مالا سے پہلے مدھو بالا کو کاسٹ کیا گیا تھا لیکن فلمساز و ہدایت کار بی آر چوپڑہ کا مدھو بالا کے والد عطاء اللہ خان سے آؤٹ ڈور شوٹنگ کے معاملے پر اختلاف ہو گیا۔ معاملہ عدالت میں جا پہنچا جہاں دلیپ کمار نے مدھو بالا کے خلاف گواہی دی۔

مدھو بالا... ایک دیومالائی کردار

بالی وڈ کی حسن کی دیوی کی داستان حیات

عبدالحفیظ ظفر

ہندوستانی فلمی صنعت میں ممتاز جہاں بیگم المعروف مدھوبالا کو دیومالائی کردار کی حیثیت حاصل ہے۔ اس اداکارہ نے 1942ء میں صرف آٹھ سال کی عمر میں اداکاری کا آغاز کیا اور 27 برس میں فلمی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ یہ طلسماتی اداکارہ 1950ء کی دہائی میں مقبولیت کے عروج پر رہی۔ اسے مختلف خطاب دیئے گئے۔ کبھی وینس آف انڈین سنیما (Venus of India Cinema) کہا گیا اور کبھی اسے وینس آف دی ایسٹ (Venus of the East) کہہ کر پکارا گیا۔ مدھوبالا کی شخصیت کی کئی جہتیں تھیں۔

باپ کی فرمانبردار بیٹی، انتہائی حساس، ایثار کیش، غریب پرور، شائستہ مزاج کی حامل اور کبھی کسی کی برائی نہ کرنے والی مدھوبالا صرف 36 برس کی عمر میں اس جہان رنگ و بو سے رخصت ہو گئی لیکن وہ آج بھی کروڑوں فلم بینوں کے دلوں پر راج کرتی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان میں بھی مدھوبالا کے مداحین کی تعداد اور بہت زیادہ رہی ہے۔ بالی وڈ اور لالی وڈ کی آج کی ہیروئنیں بھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدھوبالا جیسی ہیروئن اب آئندہ نہیں آئے گی۔ اسی طرح شاہ رخ خان، ہریتک روشن اور نصیر الدین شاہ جیسے اداکار مدھوبالا کو آل ٹائم گریٹ اداکارہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ادیبہ خدیجہ اکبر نے بالی وڈ کے اس دیومالائی کردار پر ایک شاندار کتاب تخلیق کی ہے جس کا عنوان ہے "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں...... مدھوبالا کی کہانی (I want to live......The story of (Madhubala) روزنامہ دنیا کے سنڈے میگزین میں اس کتاب کی تلخیص و ترجمے کی تین اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں اس کی آخری قسط پیش کی جا رہی ہے۔

دیو آنند ایک ہینڈسم اور مہذب اداکار تھا۔ سکرین پر لوگ اسے مدھوبالا کے ساتھ بہت پسند کرتے تھے۔ مدھوبالا نے دیو آنند کے ساتھ کئی فلموں میں کام کیا۔ اس وقت وہ ہندی سکرین کے ایڈونس اور وینس تھے۔ (وینس یونانی دیومالائی کا کردار ہے جسے حسن کی دیوی کہا جاتا تھا اور ایڈونس اس کا محبوب تھا) مدھوبالا نے دیو آنند کے ساتھ سب سے پہلے 1950ء میں ریلیز ہونے والی فلم "نرالا" میں کام کیا اور دیو آنند کے ساتھ اس کی آخری فلم "شرابی" تھی جو 1964ء میں ریلیز ہوئی۔ اس وقت مدھوبالا کو فلمی صنعت سے الگ ہوئے طویل عرصہ ہو چکا تھا۔ اس بیچ ان دونوں نے "آرام، نادان، مدھوبالا، مدن، ارمان، کالا پانی اور جعلی نوٹ" میں اکٹھے کام کیا۔ نو فلموں میں کام کرنے کے باوجود یہ دونوں ایک ٹیم کی حیثیت سے کلک نہ کر سکے۔ اعلیٰ درجے کی کارکردگی کے باوجود کچھ نہ کچھ تھا جو غائب تھا۔ شاید وہ شرارہ، وہ چنگاری نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ راج کھوسلہ کی ہدایتکاری میں بننے والی فلم "کالا پانی" کو ان دونوں کی بہترین فلم کہا جا سکتا ہے۔ اس فلم کی موسیقی ایس ڈی برمن نے دی تھی اور اس کے گیتوں نے بھی ہلچل مچا دی تھی۔ مدھوبالا نے اس فلم کے گیتوں کی پکچرائزیشن میں جس طرح چہرے کے تاثرات سے کام لیا، اس کی جتنی توصیف کی جائے کم ہے۔ خاص طور پر یہ گانا "اچھا جی میں ہاری چلو مان جاؤ نا" بہت پسند کیا گیا اور اس میں مدھوبالا نے یادگار پرفارمنس دی۔ ہدایت کار راج کھوسلہ کے مطابق وہ "بمبئی کا بابو" میں مدھوبالا کو کاسٹ کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اداسی بھرے لہجے میں کہا کہ میں کسی اور کو کاسٹ کر لوں۔ اسے غالباً علم تھا کہ اس کی بیماری اسے بھرپور طریقے سے کام نہیں کرنے دے گی۔ 1964ء میں "شرابی" ریلیز ہوئی تو اس کے اشتہارات میں لکھا ہوتا تھا۔

شاعر نے حسن دیکھا، سنگ تراش نے اس کا تصور تراشا، انہوں نے اسے وینس کا نام دیا، ہم اسے مدھوبالا کہتے ہیں۔"

"شرابی" مدھوبالا کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم تھی۔ "جوالا" 1971ء میں مدھوبالا کی وفات کے بعد ریلیز ہوئی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سکرین پر نظر آنے والی متحرک اور پرجوش مدھوبالا اس قابل بھی نہیں رہے گی کہ اپنی فلموں کو مکمل کروا سکے۔ دیو آنند کا کہنا تھا "مدھوبالا ایک تومند زندگی اور توانائی سے بھرپور عورت تھی اور وہ ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔ پھر غیر متوقع طور پر وہ ایک دن فلموں سے غائب ہو گئی۔"

دلیپ کمار کے ساتھ مدھوبالا نے سب سے پہلے "ترانہ" میں کام کیا۔ اس وقت اس کی عمر 18 سال تھی۔ یہ فلم 1951ء میں ریلیز ہوئی۔ اس کے بارے میں "فلم انڈیا" نے لکھا "بہت عرصے کے بعد ہدایت کار رام دریانی نے ہمیں ایک شاندار تفریحی فلم دی ہے۔ "دلیپ کمار اور مدھوبالا پہلی بار ایک زبردست رومانوی جوڑے کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ دلیپ کمار نے "ترانہ" کے بارے میں کہا "1949ء میں ایک فلم ہار سنگھار میں بھی مدھوبالا نے میرے ساتھ کچھ مناظر عکس بند کرائے تھے۔ لیکن یہ فلم جلد ہی ڈبوں میں بند ہو گئی۔ اس کے ہدایت کار مکیش کول تھا۔ جس وقت ترانہ ریلیز ہوئی اس سے پہلے دلیپ کمار "میلہ، شہید، بابل، دیدار اور جوگن" جیسی سپرہٹ فلموں میں کام کر چکا تھا۔
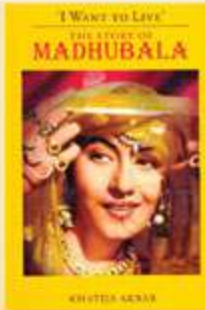
وہ ایک ہینڈسم، سنجیدہ اور نرم مزاج نوجوان تھا اور شاندار اداکار تھا۔ وہ ہندی فلموں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے دور کی تمام بڑی اداکاراؤں کے ساتھ کام کیا تھا جن میں نرگس، نور جہاں، کامنی کوشل اور نمی شامل تھیں۔ اب وہ مدھوبالا کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ "محل" کے بعد مدھوبالا کی شہرت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔ یہ دونوں سٹار دیوپکارانی کی دریافت تھے اور اس جوڑے نے پوری ہندوستانی قوم کے دلوں کو فتح کر لیا۔ مدھوبالا نے دلیپ کمار کے بارے میں اپنی بہنوں کو بتایا کہ وہ ایک ایسے اداکار کے ساتھ کام کر رہی ہے جس کی آنکھوں سے مقناطیسی شعاعیں نکلتی ہیں۔ اس کے مطابق ان آنکھوں میں اتنی جاذبیت ہے کہ ایک بار جو اس کی طرف دیکھ لے بس پھر دیکھتا ہی رہتا ہے۔ اس کی آنکھیں ایسی ہیں کہ لگتا ہے جیسے بہتے ہوئے موتیوں سے بھری ہوئی ہیں۔

دلیپ کمار کے بارے میں تشنگی سے بھرپور یہ بیان اس اداکارہ کا تھا جسکے دل کے چمن میں اس کی محبت کا پھول کھل اٹھا تھا۔ "ترانہ" کے علاوہ مدھوبالا اور دلیپ کمار "سنگدل، امر، اور مغل اعظم" میں اکٹھے جلوہ گر ہوئے۔ امر بھی دلیپ کمار اور مدھوبالا کی یادگار فلموں میں سے ایک ہے۔ اس سے پہلے محبوب خان نے مینا کماری کو کاسٹ کیا تھا لیکن محبوب خان سے اختلافات کے بعد اس نے یہ فلم چھوڑ دی۔ 15 دن شوٹنگ کے بعد مینا کماری نے آنے سے انکار کر دیا۔ "فلم انڈیا" کے مطابق راج کپور نے محبوب کو فون کر کے نرگس کو ہیروئن کاسٹ کرنے کی درخواست کی۔ دلیپ کمار اس معاملے پر خاموش رہا۔ محبوب نے راج کپور کی پیشکش مسترد کر دی۔ عطاء اللہ خان نے پہلے تو مدھوبالا کے "امر" میں کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن بعد میں اس نے مدھوبالا کو امر میں کام کرنے سے منع کر دیا۔ اب جب مینا کماری فلم چھوڑ کر چلی گئی تو عطاء اللہ کے دل میں پھر اس خواہش نے انگڑائی لی کہ مدھوبالا امر میں کام کرے اور پھر امر میں مدھوبالا نے کام کیا اور بہت خوبصورت اداکاری کی۔ "امر ایک سپرہٹ فلم تھی اور اس کے گیت بھی بہت مقبول ہوئے۔ نوشاد کا سنگیت بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔

نوشاد نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ ایک گیت کی پکچرائزیشن کے دوران مدھوبالا دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

پریم ناتھ کے ساتھ مدھوبالا نے "بادل، آرام، اور ساقی" میں کام کیا۔ ان تینوں فلموں میں بادل میں اس کی اداکاری لاجواب تھی۔ اس میں اس نے ایک جاگیردار کی بیٹی کا کردار ادا کیا تھا اور وہ مکمل طور پر ایک شہزادی لگتی تھی۔ فلم میں اس کا کردار اتنا اہم نہیں تھا لیکن جتنا بھی تھا اس نے اسے بخوبی نبھایا۔

"مغل اعظم" میں انارکلی کے کردار کے لیے کے۔ آصف کو مناسب ہیروئن نہیں مل رہی تھی۔ نرگس سے رابطہ کیا تو اس نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ "جوگن" کی شوٹنگ کے دوران اس کا دلیپ کمار سے جھگڑا ہو چکا تھا۔ نوتن سے بات ہوئی تو اس نے کے۔ آصف سے کہا کہ انارکلی کا کردار صرف مینا کماری ادا کر سکتی ہے یا پھر مدھوبالا۔

> فلمساز و اداکار گورودت نے جب مسٹر اینڈ مسز 55 میں مدھوبالا کو کاسٹ کرنے کا فیصلہ کیا تو کچھ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ اس سے پہلے مدھوبالا کی فلمیں فلاپ ہو رہی تھیں۔ گورودت کو یقین تھا کہ مدھوبالا اس کردار کیلئے انتہائی موزوں ہے۔ اس نے یہ رسک لے لیا اور پھر مدھوبالا نے یہ مختلف کردار اتنے شاندار طریقے سے ادا کیا کہ فلم بین عش عش کر اٹھے۔

مدھوبالا کو دل کا عارضہ تو تھا ہی لیکن اس کا علم مدراس میں "بہت دن ہوئے" کی شوٹنگ کے دوران ہوا۔ اس کی بیماری ایک دم بڑھ گئی اور اسے خون کی الٹیاں آنا شروع ہو گئیں۔ اس فلم میں مدھوبالا کے ساتھ جنوبی ہندوستان کے ایک اداکار سوراج نے کام کیا تھا۔ اس موقع پر فلم کے ہدایت کار ایس ایس وسان اور اس کی بیوی نے مدھوبالا کا بہت ساتھ دیا۔ وسان نے فوری طور پر بہترین ڈاکٹر بلا لیے جنہوں نے مدھوبالا کو بہت بیمار قرار دیا۔ وسان اور اس کی بیوی ہسپتال میں مدھوبالا کے ساتھ رہے۔ انہوں نے مدھوبالا کے علاج پر اٹھنے والے تمام اخراجات خود برداشت کیے۔ مدھوبالا بعد میں جب تک زندہ رہی ایس ایس وسان اور اس کی بیوی کی ممنون رہی۔

"مسٹر اینڈ مسز 55" میں مدھوبالا کو کاسٹ کرنا صرف گورودت کے اٹل فیصلے کی بدولت تھا۔ اس سے پہلے مدھوبالا کی فلمیں باکس آفس پر خاطر خواہ بزنس نہیں کر رہی تھیں اور گورودت کو اس معاملے پر ... دار بھی کیا گیا تھا لیکن گورودت کو مدھوبالا کی صلاحیتوں پر کامل اعتقاد تھا۔ آخر مدھوبالا کو کاسٹ کرنے کا فیصلہ درست ثابت ہوا اور یہ فلم کامیابی ہو گئی۔ اس فلم میں مدھوبالا نے جس بے ساختہ اور فطری اداکاری کا مظاہرہ کیا اس نے فلم بینوں کے دل موہ لیے۔ بہت سے نقادوں کے نزدیک مسٹر اینڈ مسز 55 مدھوبالا کی بہترین فلموں میں سے ایک ہے۔ ان میں دلیپ کمار اور شمی کپور بھی شامل ہیں۔ فلم کے معاون ہدایت کار ابرار علوی نے اپنی کتاب "گورودت کے ساتھ 10 سال" میں لکھا ہے کہ انیتا کے کردار کیلئے مدھوبالا بہترین انتخاب تھی۔ گورودت کو مکمل یقین تھا کہ مدھوبالا امید سے زیادہ اچھا کام کرے گی اور یہ بات درست ثابت ہوئی۔ گورودت "پیاسا" میں بھی مدھوبالا کو کاسٹ کرنے کا آرزو مند تھا۔ ابتداء میں اس فلم کے اداکاروں میں مدھوبالا، نرگس اور دلیپ کمار شامل تھے لیکن بعد میں حالات نے دھارا بدلا اور گورودت، مالا سنہا اور وحیدہ رحمان فلم کے مرکزی کرداروں میں جلوہ گر ہوئے۔

جب کسی مکمل اداکار یا اداکارہ کی بات کی جاتی ہے تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اسے مزاحیہ اداکاری کرنے میں کتنی مہارت حاصل ہے۔ بڑے بڑے اداکاروں کے لیے مزاحیہ کردار ادا کرنا بہت بڑا امتحان بن جاتا ہے۔ مدھوبالا نے "مسٹر اینڈ مسز 55"، "محلوں کے خواب"، اور "چلتی کا نام گاڑی" میں زبردست مزاحیہ اداکاری کر کے فلمی پنڈتوں کو حیران کر دیا۔

"چلتی کا نام گاڑی" میں مدھوبالا نے گنگولی برادران کے ساتھ کام کیا۔ یہ گنگولی برادران کون تھے؟ اشوک کمار، کشور کمار اور انوپ کمار۔ اس خوبصورت مزاحیہ فلم کو دیکھ کر فلم بین بہت محظوظ ہوئے۔ اس میں مدھوبالا نے اپنی شاندار اداکاری کے ایسے جوہر دکھائے کہ سب لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

مدھوبالا اور کشور کمار نے سب سے پہلے 1956ء میں جے کے نندہ کی فلم "ڈھاکے کی ململ" میں اکٹھے کام کیا تھا۔ "محلوں کے خواب" مدھوبالا کی اپنی فلم تھی جس میں اس نے پردیپ کمار کو کاسٹ کیا جبکہ کشور کمار نے مدھوبالا کی بہن چنچل کے ساتھ اہم کردار ادا کیا۔ مدھوبالا کی بہن چنچل کو بڑی اداکارہ بننے کا جنون تھا لیکن اس کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ 1961ء میں مدھوبالا اور کشور کمار "جھمرو" میں اکٹھے ہوئے اور 1962ء میں کالی داس کی فلم "ہاف ٹکٹ" میں دونوں کو کام کرنے کا موقع ملا۔ کشور کمار اپنی پہلی بیوی روما کو طلاق دے چکا تھا جو ایک بنگالی اداکارہ تھی۔ اس کا اپنی پہلی بیوی سے ایک بیٹا بھی تھا۔ اسی دوران اس نے مدھوبالا سے شادی کر لی۔ مدھوبالا کے انتقال کے بعد کشور کمار نے دو اور شادیاں کیں۔

1959ء میں مدھوبالا نے پہلی بار سنیل دت کے ساتھ "انسان جاگ اٹھا" میں کام کیا۔ اس وقت سنیل دت کی دو فلمیں "سجاتا اور مدر انڈیا" زبردست کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھیں اور وہ ہندوستانی فلمی صنعت میں اپنا مقام بنا چکا تھا۔ اس فلم کی شوٹنگ کیلئے مدھوبالا کو پہلی بار حیدر آباد سے 100 کلومیٹر دور جانا پڑا۔ اس فلم میں مدھوبالا نے ایک مزدور عورت کا کردار ادا کیا تھا۔ اسے فلم میں حقیقی مزدوروں کے ساتھ جلتے سورج کے نیچے کام کرنا پڑتا تھا۔ ممی چیچ کر اس نے بتایا کہ اس کیلئے یہ ایک حیران کن تجربہ تھا۔ اگرچہ مجھے بہت تھکن ہو گئی تھی لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے ان سینکڑوں لوگوں کو دیکھا جو ایک نئے ہندوستان کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ اس فلم میں منو ممتاز نے مدھوبالا کی سہیلی کا کردار ادا کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے مدھوبالا کو غور سے دیکھا اور مجھے یہ علم ہوا کہ ظاہری طور پر وہ بڑی خوش نما باتیں کرتی تھی لیکن جذباتی طور پر وہ ختم ہو چکی تھی۔

اکثر اوقات وہ ایک آہ بھرتی اور کہتی کہ اسے نہیں علم کہ اب کیا سوچنا چاہیے اور نہ ہی وہ یہ جانتی ہے کہ اپنی زندگی کو دوبارہ کیسے شروع کیا جائے۔ گیسٹ ہاؤس میں وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوتی اور گراموفون پر لتا منگیشکر کے گانے سنتی رہتی۔ میں نے اکثر دیکھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوتی تھیں۔

مدھوبالا نے کچھ اور ہیروز کے ساتھ بھی اداکاری کی جن میں وہ پردیپ کمار کے ساتھ "راج ہٹ" "شیریں فرہاد" ابھی بھٹا چاریہ کے ساتھ "ناطہ" اجیت کے ساتھ "تیر انداز"، بے قصور، رحمان کے ساتھ "پردیس" اور ناصر خان کے ساتھ "نازنین" اور "ترانہ" میں پردہ سکرین پر نمودار ہوئی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بھانت بھانت کے ہیروز کے ساتھ کام کیا۔ بھراج ساہنی کے ساتھ بھی وہ ایک فلم "یہ بستی یہ لوگ" میں اداکاری کے جوہر دکھا رہی تھی لیکن یہ فلم مکمل نہ ہو سکی۔ اس نے کئی دوسری ہیروئنوں کے ساتھ بھی کام کیا۔ وہ گیتا بالی کے ساتھ، "نیکی اور بدی" "دلاری" "ثریا کے ساتھ" "سنگار"، بیگم پارہ کے ساتھ "نیل کمل" اور کامنی کوشل کے ساتھ "پارس" میں جلوہ گر ہوئی، جبکہ "امر" میں نمی اور "کالا پانی" میں نلنی جیونت ساتھ اس کے ساتھ تھیں۔ اس کی شوٹنگ کے دوران مدھوبالا اور نمی میں دوستی ہو گئی، نمی کا کہنا تھا بے حد حسین ہونے کے علاوہ مدھوبالا ایک بہت اچھی انسان بھی تھی۔ دونوں کی دوستی مزید گہری ہو گئی۔ وہ اکٹھے کھانا کھاتے نظر آتیں، ان کے میک اپ روم بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں ایک دوسرے کی رازدان بھی تھیں۔ افواہ سازوں نے ایک داستان گھڑی کہ نمی اور دلیپ کمار ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں۔ مدھوبالا کو بھی اس کا پتا چل گیا۔ اس نے نمی کو ایک فلم کی شوٹنگ کے دوران بلوا لیا اور اس سے کہنے لگی کہ وہ اس سے سچ بولے۔ مدھوبالا یہ سوچتی تھی کہ کیا نمی اس سے بھی زیادہ دلیپ کمار کے بارے میں سوچتی ہے؟ اس نے نمی سے کہا کہ اگر معاملہ بہت سنجیدہ ہے تو وہ ان دونوں کے راستے سے ہٹ جائے گی نمی نے کہا وہ یہ سن کر حیران رہ گئی۔ بعد میں اس نے مدھوبالا کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ دلیپ کمار کے ساتھ اس کا نام جوڑنے والوں نے زیادتی کی ہے۔ جب مدھوبالا کے ذہن سے شک کے بادل چھٹ گئے تو نمی نے مدھو کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اکثر ہنستے ہوئے کہتی:

مدھو میں حسن و جمال میں تو تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن مجھے ایسا شوہر نہیں چاہیے جو مجھے خیرات میں ملے۔ نمی نے کہا میں نے مدھو سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی اس قیمتی چیز کو دل کے ساتھ لگا کے رکھے اور ہر کسی کو یہ پیش کش نہ کرے جو اس نے مجھے کی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی تمہاری اس معصومانہ حرکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ پیش کش قبول کر لے۔ نمی نے آہ بھرتے ہوئے کہا جس دن مدھو اس جہان کو چھوڑ گئی میں زار و قطار روتی رہی۔ گیتا بالی، مدھو بالا، نرگس، مینا کماری، نوتن، سب ایک ایک کر کے اس دنیا سے کوچ کر گئیں میں اپنے آپ کو مکمل طور پر بے بس اور اکیلا محسوس کرتی ہوں۔"

مدھو بالا اور مینا کماری نے کسی فلم میں اکٹھے کام نہیں کیا، اور حقیقی زندگی میں بھی ان کی آپس میں بہت کم ملاقاتیں ہوتی تھیں، لیکن اکثر اوقات دونوں کی زندگیوں کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ دونوں نے دکھ اٹھائے اور ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ زندگی کے سخت حقائق کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے کنٹرول میں رہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کی کوئی واضح سمت متعین کرنے سے قاصر تھیں۔ دونوں بہت حساس تھیں اور اسی وجہ سے انہوں نے بہت زیادہ ذہنی اذیت برداشت کی۔ ناآسودگی دونوں کی زندگی کی حقیقت بن چکی تھی۔ لیکن مینا کماری نے اپنے غم و آلام کو دل سے لگا لیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اپنی دردناک شاعری میں سمو لیا تھا۔ یہ تنہائی کے دوزخ میں جلنے والی عورت وسیع المطالعہ بھی تھی اور ایک اچھی شاعرہ بھی۔ جب زندگی کے خار دار تار اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئے تو اس نے شراب میں پناہ ڈھونڈی۔ فلموں میں بھی اس نے اپنی مرضی سے المیہ کرداروں کا انتخاب کیا حالانکہ اس میں اتنی صلاحیت تھی کہ وہ ہر قسم کا کردار ادا کر سکتی تھی۔ اس نے آزاد (1955) اور کوہ نور (1960) میں مختلف کردار ادا کیے۔ لیکن کافی فلموں میں المیہ کردار نگاری کے بعد اس کا نام انہی کرداروں کے حوالے سے لیا جانے لگا۔ اگر مینا کماری کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اسے غم و آلام کیلئے بنایا گیا تو پھر مدھو بالا کیلئے یہ کہنا چاہیے کہ اسے ہنسی اور قہقہوں کے لیے بنایا گیا تھا، اس نے اپنے مصائب سے گھبرا کر بوتل کا سہارا نہیں لیا۔ اسے اپنی پراسرار بیماری کے بارے میں علم تھا اور وہ پھر بھی زندگی کا سفر طے کرتی رہی۔ آخری سالوں میں موت کا سایہ بھی اس کے اپنے سائے کی طرح تھا۔ دونوں کو اپنی جاہ کن شادیوں کا صدمہ جھیلنا پڑا۔ لیکن مینا کماری کے پاس وہ دکھ نہیں تھا جو مدھو بالا نے دل میں پال رکھا تھا، مینا کماری کو یہ غم نہیں تھا کہ اس نے جس شخص سے محبت کی وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ حقیقت میں مینا کماری کبھی کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہوئی، اس کی زندگی محبت اور ہم آہنگی پانے کی ایک بے سود کوشش کے سوا کچھ نہ تھی۔ وہ شاید لوگوں کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکی تھی یا وہ اندازہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔

پیشہ ورانہ محاذ پر مینا کماری کی جتنی توصیف کی گئی اور اس کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا گیا، مدھو بالا کو اتنا سب کچھ نہیں ملا۔ مدھو بالا کی خوشیوں میں کون زہر گھولتا رہا، کون تھا جس نے اس کی زندگی کے شجر کو برگ و بار سے محروم رکھا۔ یہ عطاء اللہ خان ہی تھا۔ اس کا باپ، بیبے ناکیز کی دیویکا رانی نے ایک بار کہا تھا کہ عطاء اللہ خان بہت آگے جانے کی سوچتا تھا اور اس کی اسی خواہش نے اس کی انتہائی فرمانبردار بیٹی مدھو بالا کی زندگی برباد کر دی۔ مدھو بالا 1969ء میں راہی ملک عدم ہوئی جبکہ صرف دو سال بعد اپنی آخری فلم "پاکیزہ" کی ریلیز کے دوران مینا کماری بھی چل بسی۔ اپنی موت کے وقت تک دونوں نے بہر حال ایک لیجنڈ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

تاریخی رومانوی داستان پر بنائی جانے والی کے آصف کی کلاسیک "مغل اعظم" مدھو بالا کی آخری فلم تھی، جو اس کی سب سے یادگار فلم ثابت ہوئی۔ مغل اعظم محض ایک فیچر فلم نہیں تھی۔ یہ ایک خواب کو حقیقت میں بدلنے کیلئے ناقابل یقین جدوجہد تھی۔ یہ ایک شخص کا وہ ناقابل فراموش تصور (Obsession) تھی جس کیلئے یہ خوبصورت لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے

یہ شخص کریم الدین آصف (کے آصف) دیوانہ وار کوششیں کر رہا تھا کہ وہ شہزادہ سلیم اور انارکلی کی رومانوی داستان کو پردہ سکرین کی زینت بنائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کا طمطراق اور تزک و احتشام بھی سلو لائیڈ کے فیتے پر منتقل کرنے کا آرزومند تھا۔

کے آصف ایک حوصلہ مند آدمی تھا۔ اس کی انگلیوں میں ہر وقت سگار رہتا تھا۔ لگن سے بھرپور زندگی میں کچھ انوکھا کام کرنے کا خواہش مند کے آصف اداکار نذیر کا بھانجا تھا۔ شروع میں نذیر نے اسے فلمی دنیا میں قدم رکھنے کی ترغیب دی لیکن کے آصف نے دلچسپی نہیں لی۔ یہ دیکھ کر نذیر نے اپنے بھانجے کو ایک درزی کی دکان کھول کر دی لیکن کچھ ہی عرصے بعد یہ دکان بند کرنا پڑی کیونکہ بھانجا صاحب ہمسائے میں رہنے والے ایک درزی کی بیٹی سے عشق لڑا رہے تھے اور اپنا سارا وقت اسی کام میں برباد کر رہے تھے۔ اس کے بعد نذیر نے اسے مجبور کیا کہ وہ فلمسازی کی طرف اپنی ساری توجہ مرکوز کر دے۔ 1944ء میں کے آصف نے ایک فلم "پھول" کی ہدایت کاری کی۔ اس کی کاسٹ میں پرتھوی راج کپور، مظہر خان اور ستارہ دیوی شامل تھے۔ اس کے بعد وہ فلم "ہلچل" (دلیپ کمار، نرگس) کا پروڈیوسر بن کر سامنے آیا۔ پھر اس نے "مغل اعظم" بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ کے آصف نے پوری زندگی میں ساڑھے تین فلمیں بنائیں۔ "پھول، ہلچل، مغل اعظم اور آدھی لو اینڈ گاڈ"۔ "لو اینڈ گاڈ" آدھی مکمل ہوئی تھی کہ کے آصف کا انتقال ہو گیا لیکن کے آصف فلم کی تاریخ میں اپنا نام سنہرے حروف میں لکھوا گیا۔

کے آصف کے فوٹو گرافر آر ڈی ماتھر کا کہنا ہے کہ کے آصف ہر وقت یہی سوچتا رہتا تھا کہ کوئی نیا اور انوکھا کام کیا جائے۔ اس کے تصور اور مقصد کی کوئی حد نہ تھی۔ ناممکن کا لفظ وہ سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس یکسوئی سے اس پراجیکٹ پر کام کر رہا تھا اس سے فلم کے پورے یونٹ کو ایک نئی توانائی اور حوصلہ ملتا تھا۔

دلیپ کمار کا کہنا تھا: ہم سب جانتے تھے کہ ہم ایک بہت بڑی فلم میں کام کر رہے ہیں۔ ہمت، حوصلے اور توانائی کا اصل ماخذ کے آصف تھا لیکن بہر حال فلم کی کامیابی کسی ایک شخص کی وجہ سے نہیں تھی۔ بے حد ذہین لوگ اس فلم میں اکٹھے کیے گئے تھے جنہوں نے اس فلم کو یادگار بنانے کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اس فلم کی موسیقی، گانے، مکالمے، فوٹو گرافی، اداکاری غرضیکہ ہر چیز بے مثال تھی۔ مغل اعظم کو اس کے جوہری نے اس طرح تراشا جس طرح ایک مالا قیمتی موتیوں سے مزین ہوتی ہے۔ ہر آرٹسٹ نے بے حد تعاون کا مظاہرہ کیا، اسے وہ سب کچھ دیا گیا جو وہ اس فلم کی تکمیل کیلئے ضروری سمجھتا تھا۔

کے آصف کو خود پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کے آصف کے عزم اور یقین کی طاقت کے سہارے مغل اعظم کی عظیم الجثہ گاڑی چلتی رہی۔ 1951ء میں شروع ہونے والا یہ منصوبہ نو سال میں مکمل ہوا اور یہ فلم اگست 1960ء میں ریلیز ہوئی۔ فلم کی پوری ٹیم کے ہر رکن کو یہ یقین تھا کہ وہ ایک ایسے منصوبے پر کام کر رہا ہے جو شاید آئندہ کبھی شروع نہیں کیا جا سکے گا۔ بالکل یہ بات ہر ایک کے ذہن میں تھی اور مغل اعظم کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ (Unlikely - to-be ever-repeated(Project ہے مغل اعظم صرف فلم ہی نہیں بلکہ وہ فلمی تاریخ کا ایک یادگار اثاثہ ہے۔ یہ مغل شہزادے سلیم اور درباری رقاصہ انارکلی کے عشق کی داستان ہے۔ جو اب قصہ کہانیوں سے بھی بڑھ کر حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اگرچہ انارکلی کا ایک مقبرہ لاہور میں موجود ہے لیکن اس داستان میں کتنی صداقت ہے اس حوالے سے کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔ حقیقت میں فلمسازوں کے دل میں اس موضوع پر فلمیں بنانے کا خیال امتیاز علی تاج کے ڈرامے "انارکلی" کے بعد آیا۔ یہ داستان حقیقی ہے یا غیر حقیقی، اس کے اندر وہ سب کچھ ہے جو فلم بینوں اور خاص طور پر نوجوانوں کو مسحور کر سکتا ہے۔ اس کہانی پر چار فلمیں پہلے ہی بنائی جا چکی تھیں جب کے آصف نے اسے سکرین پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ کے آصف اس کہانی کا اختتام تبدیل کرنے کا بھی سوچ رہا تھا اور پھر آخر کار اس نے اس کا اختتام بھی تبدیل کر دیا۔ اس اختتام نے فلم بینوں کے ذہنوں پر نہایت مثبت اثرات مرتب کیے۔ مغل اعظم یعنی شہنشاہ اکبر کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے علاوہ لوگوں کو یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ اتنا بڑا شہنشاہ کوئی بے رحم یا سفاک شخص نہیں تھا بلکہ انسانیت کا درد بھی رکھتا تھا۔

فلم کے آخر میں پرتھوی راج کا مدھو بالا سے یہ مکالمہ "بلا شبہ ہم محبت کے دشمن نہیں، اپنے اصولوں کے غلام ہیں" اسی مقصد کی نشاندہی کرتا ہے۔ شہنشاہ اکبر انارکلی کو جانے کی اجازت دے دیتا ہے حالانکہ کہانی کے مطابق شہنشاہ اکبر نے انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تھا۔

> پریم ناتھ بھی مدھو بالا کی محبت میں گرفتار تھا۔ وہ بھی شمی کپور کی طرح اس سے شادی کرنے کا آرزومند تھا لیکن جب اسے یہ علم ہوا کہ مدھو بالا صرف ایک شخص سے محبت کرتی ہے جس کا نام ہے دلیپ کمار تو وہ راستے سے ہٹ گیا۔ اس کے باوجود اسے اس بات کا قلق رہا کہ دلیپ کمار نے مدھو بالا سے شادی نہیں کی۔ مدھو بالا کی وفات کے بعد پریم ناتھ نے اس کی یاد میں ایک نظم بھی لکھی۔

اس موضوع پر سب سے پہلے جو فلم بنی اس کا نام تھا "مغل شہزادے کی محبت" (Love of a Mughal Prince) یہ خاموش فلم تھی جو 1928ء میں گریٹ ایسٹرن فلم کارپوریشن آف انڈیا نے بنائی اور یہ بڑے بجٹ کی فلم تھی۔ اس سے پہلے 1926ء میں اردشیر ایرانی نے امپیریل فلمز نامی ادارہ قائم کیا اور جلد ہی فلم شروع کی اس کی ہیروئن سلوچنا تھی۔ یہ فلم بھی 1928ء میں ریلیز ہوئی جو بہت کامیاب رہی۔ اس کی ہدایت کاری کے فرائض آر ایس چودھری نے سر انجام دیے جس نے 1935ء میں دوبارہ اس کہانی کو سکرین پر منتقل کیا۔ 1953ء میں نند لال جسونت لال نے فلمستان کیلئے انارکلی بنائی جس میں بینا رائے اور پردیپ کمار نے مرکزی کردار ادا کیے۔ اس فلم میں سلوچنا نے شہزادہ سلیم کی ماں کا کردار ادا کیا۔ یہ فلم باکس آفس پر بہت کامیاب ہوئی۔ اس کی موسیقی سی رام چندر کی تھی اور اس کے گیتوں نے بھی بہت مقبولیت حاصل کی تھی۔ انارکلی کو تامل، تیلگو اور ملیالم زبانوں میں بھی فلمبند کیا گیا۔

کے آصف نے سب سے پہلے 1944ء میں اس موضوع کو سلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابتدا میں سپرو، چندر موہن اور نرگس کو بالترتیب شہزادہ سلیم، اکبر اور انارکلی کے کردار کیلئے منتخب کیا گیا۔ کے آصف کا فنانسر شیراز علی حکیم پاکستان ہجرت کر گیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے فلمی صنعت ٹھپ ہو کے رہ گئی۔ فلم بنانے کا منصوبہ ختم کر دیا گیا۔

> **مدھو بالا نے جس فنکارانہ مہارت سے مغل اعظم میں انارکلی کا کردار ادا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ شہزادہ سلیم اور انارکلی کے رومانس پر اس سے پہلے بھی فلمیں بن چکی تھیں لیکن کے آصف جیسے جنونی شخص نے اس کے باوجود اس قصے کو سلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مدھو بالا کے بعد کسی فلمساز یا ہدایت کار کو اتنی جرات نہ ہو سکی کہ وہ اس موضوع پر فلم بنائے اور انارکلی کا کردار ادا کرنے کیلئے کسی اور اداکارہ کا انتخاب کرے۔**

1953ء میں ایس مکرجی کی انارکلی کی کامیابی کے بعد اس موضوع پر ایک بار پھر فلم بنانا بہت بڑا رسک تھا۔ یہ امید کی جا رہی تھی کہ کے آصف اس موضوع پر دوبارہ فلم نہیں بنائے گا۔ لیکن کے آصف اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور ایک لمحے کیلئے بھی اس نے اپنا ذہن نہیں بدلا۔ اس کا موقف تھا کہ اس موضوع میں اتنی توانائی ہے کہ اسے نئے رنگ ڈھنگ سے ایک یادگار فلم کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ شاہ پور جی پلونجی مستری نے اس موضوع پر بننے والی فلم میں کے آصف کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور وہ سرمایہ لگانے کیلئے راضی ہو گیا۔ شاہ پور جی اپنے دور کا بڑا ٹھیکیدار تھا جس نے کئی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کا بہت بڑا مداح تھا اور تاریخ میں اکبر کا کردار اس کا پسندیدہ تھا۔ مالی معاملات سے مطمئن ہو کر ایک نئے جوش و ولولے کے ساتھ مغل اعظم پر کام شروع کر دیا گیا۔ کے آصف ہر چیز بہترین چاہتا تھا۔ اس سے کم پر وہ مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ انارکلی کا واقعہ صداقت سے تہی ہو لیکن شہنشاہ اکبر کے دربار کی شان و شوکت جس انداز سے کے آصف نے فلم میں دکھائی وہ کوئی اور فلم میکر نہ دکھا سکا۔ شاہ پور کا اس فلم پر بہت پیسہ خرچ ہو رہا تھا۔ ایک دفعہ اس کے قریبی دوستوں اور بیٹے نے اسے سمجھایا کہ فلم ختم کر دو یہ کہیں تمہیں قلاش نہ کر دے۔ کے آصف نے کئی سیٹ لگوا کر بعد میں انہیں ختم کروا دیا۔ "پیار کیا تو ڈرنا کیا" کی پکچرائزیشن میں بیلجیم سے لاکھوں روپے کا شیشہ منگوایا۔ اس فلم کے یادگار مکالمے کمال امروہی، وجاہت مرزا اور امان اللہ نے لکھے۔ یہ امان اللہ مشہور بھارتی اداکارہ زینت امان کے والد تھے۔ آر ڈی ماتھر کی فوٹو گرافی بھی زبردست تھی۔ شکیل بدایونی نے گیت لکھے اور نوشاد نے موسیقی ترتیب دی۔ ہر ایک نے اپنی پوری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ فلم کی ہیروئن یعنی انارکلی کا کردار ادا کرنے والی مدھو بالا کا انتخاب بہت بعد میں ہوا۔

کے آصف نے بے شمار اداکاراؤں کے انٹرویو کیے۔ نرگس سے رابطہ کیا گیا تو اس نے انکار کر دیا کیونکہ فلم "ہلچل" کی شوٹنگ کے دوران اس کا دلیپ کمار سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ نوتن سے بات کی گئی تو اس نے کہا یہ کردار صرف مینا کماری یا مدھو بالا ہی ادا کر سکتی ہے۔ دلیپ کمار نے دیویکا رانی کے حق میں رائے دی جبکہ کے آصف بیگم پارہ کو کاسٹ کرنے کے حق میں تھا۔ آخر قرعہ فال مدھو بالا کے نام نکلا۔ عطاء اللہ خان نے حسب معمول شرائط پیش کیں۔ کے آصف عطاء اللہ خان کے گھر سے نکل رہا تھا کہ مدھو بالا نے اسے روک لیا۔ اس نے کے آصف سے کہا کہ آپ ابا کی سب باتیں سنتے جائیں اور سر کو ہلاتے جائیں میں انارکلی کا کردار ادا کرنے کیلئے تیار ہوں اور پھر مدھو بالا نے ثابت کیا کہ اس سے بہتر انارکلی کا کردار اس روئے زمین پر کوئی اور ادا نہیں کر سکتی۔ بلاشبہ مغل اعظم میں انارکلی کے کردار نے مدھو بالا کو امر کر دیا۔ مدھو بالا کے علاوہ پرتھوی راج، دلیپ کمار، درگا کھوٹے، مراد، کمار، اجیت اور نگار سلطانہ نے بھی بہت اعلیٰ اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ اس فلم کی ایک اور خاص بات استاد بڑے غلام علی خان کی راگنی تھی جسے گانے کیلئے استاد کو بڑی مشکل سے راضی کیا گیا۔ استاد بڑے غلام علی خان فلموں کیلئے نہیں گاتے تھے لیکن کے آصف نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا۔ موسیقار اعظم نوشاد نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ استاد نے جان چھڑانے کیلئے بڑی رقم کا تقاضا کر دیا لیکن ان کی توقعات کے خلاف کے آصف نے فوراً ہاں کر دی۔ اس پر استاد بڑے غلام علی خان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ رہا۔

مغل اعظم میں ایک نہایت ہی ارفع رومانوی منظر ہے۔ استاد بڑے غلام علی خان کی راگنی محل میں تان سین گا رہا ہے اور شہزادہ سلیم (دلیپ کمار) انارکلی (مدھو بالا) سے ملنے جا رہا ہے۔ وہاں وہ ایک سفید پر سے مدھو بالا کے چہرے کو چھوتا ہے۔ شمی کپور کے مطابق اس سے بہتر رومانوی منظر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ آپ اس منظر کی خوشبو محسوس کر سکتے ہیں۔ شمی کپور کا کہنا تھا میں مغل اعظم کے رومانوی مناظر کبھی بھول نہیں سکتا۔ اداکارہ ریکھا نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے خیال میں یہ منظر جمالیاتی تسکین کا باعث بنتا ہے۔ مدھو بالا نے انتہائی جذباتی تاثرات کا مظاہرہ کیا۔ یہ بات بہر حال طے ہے کہ انارکلی کا جو کردار جس شاندار انداز میں مدھو بالا نے ادا کیا بعد میں کسی اور فلم میکر میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی اور اداکارہ کو انارکلی کا کردار ادا کرنے کو کہے۔ یہ بلند رتبہ جسے ملنا تھا بس مل گیا۔ مغل اعظم زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اس زمانے میں مجموعی طور پر اس پر ایک کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا۔ فلمساز شاہ پور جی نے بہت منافع کمایا۔ اب وہ بہت شادمان تھا اور کے آصف سے بھی انتہائی خوش۔ اس نے کے آصف کو اپنا اسٹوڈیو اور ایک مرسڈیز کار کی پیش کی لیکن کے آصف نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنا باقی معاوضہ وصول کرے گا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا کام (Magnum Opus) مکمل ہو چکا ہے بلکہ اس کے جنون نے منزل مقصود پالی ہے اب اسے کچھ نہیں چاہیے۔ مدھو بالا کی اصول پرستی کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایک مرحلے پر شاہ پور جی نے کے آصف کی جگہ دوسرا ہدایت کار لینا چاہا تو مدھو بالا نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ اس کا معاہدہ کے آصف سے ہوا تھا۔ اب اگر کوئی دوسرا ہدایت کار لیا گیا تو وہ فلم چھوڑ دے گی۔ دلیپ کمار نے بھی کے آصف کی حمایت میں دلائل دیے اور شاہ پور جی کو اپنا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

کشور کمار سے شادی کا فیصلہ مدھو بالا کیلئے تباہ کن ثابت ہوا۔ دلیپ کمار سے تعلق ختم ہونے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔ اس کی آج تک سمجھ نہیں آتی۔ کشور کمار نے اچھا شوہر ہونے کا ثبوت نہیں دیا۔ وہ پہلے ہی شادی شدہ تھا اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔ بیماری کے دوران اس نے مدھو بالا کی دیکھ بھال بھی نہیں کی۔ بقول اس کے اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ عارضہ قلب بڑھتا گیا اور پھر فرشتہ اجل آن پہنچا۔ بالی وڈ کی حسن کی دیوی اور وینس آف دی ایسٹ بالآخر 23 فروری 1969ء کو یہ جہاں چھوڑ گئی۔ شمی کپور نے مدھو بالا کی موت کی خبر ریڈیو پر سنی تو زار و قطار رونے لگا۔ مدھو بالا کی موت پر پوری ہندوستانی فلمی صنعت سوگوار تھی۔ دلیپ کمار اس وقت مدراس میں "گوپی" کی شوٹنگ کر رہا تھا۔ وہ واپس ممبئی پہنچا تو اسے اطلاع دی گئی۔ وہ جب مدھو بالا کے گھر پہنچا تو جنازہ ہو چکا تھا۔ وہ مدھو بالا کو الوداع کہنے کیلئے قبرستان پہنچا اور پھر شام کو اس کے گھر والوں سے تعزیت کرنے کیلئے بھی گیا۔ پریم ناتھ نے مدھو بالا کی یاد میں ایک نظم لکھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر مدھو بالا دلیپ کمار کی محبت میں گرفتار نہ ہوتی تو میں نے یقیناً اس سے شادی کر لینی تھی۔ وہ دلیپ کمار سے ناراض تھا کہ اس نے مدھو بالا سے شادی کیوں نہ کی۔ شاید اسے پورے قصے کا علم نہیں تھا۔ مدھو بالا اگر حد سے زیادہ اپنے باپ کی اطاعت نہ کرتی اور اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرتی تو شاید حالات مختلف ہوتے۔ اگر 1956ء میں وہ اوم پرکاش کی موجودگی میں اپنے محبوب دلیپ کمار کی بات مان لیتی تو محبت کی یہ کہانی ادھوری نہ رہ جاتی۔ یہ کہانی ادھوری بھی تھی اور دردناک بھی۔

اب اسے کیا کہا جا سکتا ہے۔ حالات کا جبر، قسمت کی ستم ظریفی یا مدھو بالا کی اپنی غلطیاں۔ جو کچھ بھی تھا سزا صرف مدھو بالا کو بھگتنا پڑی۔ کیا ہندوستانی فلمی صنعت کو دوسری مدھو بالا مل سکتی ہے؟ مشکل، بہت مشکل بلکہ شاید ناممکن۔ (ختم شد)